بیادگار الحاج سید عبدالرحیم شاہ سجاولی

الولی

خصوصی شمارہ بیاد

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی

شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا علمی مجلہ

شعبۂ نشر و اشاعت شاہ ولی اللہ اکیڈمی، صدر، حیدر آباد

خصوصی شمارے کی قیمت: ۱۰ دس روپے

مدیر

غلام مصطفیٰ قاسمی

معاون اعزازی

ڈاکٹر وفا راشدی

سالانہ چندہ

۳۵ روپے

فی پرچہ

تین روپے

الولی
حیدرآباد

خصوصی شمارہ

بیاد

امامِ انقلاب مولانا عُبیداللہ سندھی

ترتیب

ادارہ

بتعاون

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہاں پوری

ڈائرکٹر

مولانا عبیداللہ سندھی اکیڈمی

کراچی ۷۵۸۰۰

شاہ ولی اللہ اکیڈمی

حیدرآباد

جلد ۱۴ | بابت ماہ اکتوبر / نومبر ۱۹۹۰ء مطابق ربیع الاول / ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ | شمارہ ۱-۲

فہرست

(مولانا غلام مصطفٰے قاسمی نے پاسبان پریس حیدرآباد میں چھپوا کر شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے شائع کیا)

شذرات

حضرت الاستاذ امام عبیداللہ سندھی وطن عزیز کو آزاد کرانے کے سلسلے میں جب سالہاسال کی جلاوطنی کے بعد وطن واپس لوٹے تو سب سے پہلے آپ نے جو اپنے ہم وطن بھائیوں کو جو خبردار کرنا چاہا وہ آپ کا یہ خطاب تھا :

"یہ گھروندے جو تم نے بنا کر رکھے ہیں اور انھیں تم فلک الافلاک سے بلند سمجھتے ہو یہ گھروندے زمانے کے ہاتھ سے نہیں بچ سکتے۔ تمہارا تمدن تمہارا مزاج، تمہارے افکار، تمہاری سیاست اور تمہاری سیاست سب کھوکھلی ہو چکی ہے۔ تم اسے اسلامی تمدن کہتے ہو لیکن اس تمدن میں اسلام کا کہیں شائبہ بھی نہیں۔ تم مذہب کا نام لیتے ہو، لیکن یہ مذہب تمہاری ہٹ دھری کا نام ہے۔ مسلمان بنتے ہو تو اسلام کو سمجھو، تمہارے اپر جاہ پرست ہیں، حکمران شہوت میں پڑے ہیں اور غریب طبقے توہمات کا شکار ہو رہے ہیں بدلو ورنہ زمانہ تمہارا نشان تک بھی نہ چھوڑے گا۔ سنبھلو ورنہ مٹا دیئے جاؤ گے۔"

حضرت امام سندھی کا یہ خطاب پاکستان بننے سے پہلے کا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں آپ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہو گئے اور پاکستان بننے کے اس سے بدتر منظر برصغیر میں ہم نے دیکھا اور پاکستان بننے کے بعد بھی آج یہ منظر دیکھنے میں آرہا ہے، اللہ خیر فرمائے۔

حضرت امام کے خیال میں قرآن مجید کل انسانیت کے بنیادی فکر کا ترجمان ہے اور یہ بنیادی فکر نہ کبھی بدلا ہے اور نہ آئندہ کبھی بدلے گا۔ اور سارے ادیان، مذاہب اور فلسفوں کا

اصل الاصول یہی فکر ہے اس بنیادی فکر کو فطرت اللہ کہہ لیجیے۔ اسے دین کا نام دیجئے یا
اسے ضمیر انسانی سے تعبیر کیجیے۔ اسی ضمیر انسانی کی ترجمانی انبیاء، صلحاء اور حکماء کرتے آئے ہیں۔
مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اصلی فکر میں باہر سے گرد میں شامل ہوتی گئیں۔ اور بار بار نئے نذیر
بشیر کی ضرورت پڑی۔ قرآن مجید اسی بنیادی فکر کا ترجمان ہے اور یہ بنیادی فکر عالمگیر ازلی ابدی
اور لازوال ہے۔ قرآن میں بیشک اس کا جامہ عربی ہے اور ام القریٰ اور "من حولہا" کو سمجھانے
کے لیے ماحول کے لوازم کا خیال رکھا گیا ہے لیکن مشاہدہ حق کے بیان کے لیے ہمیشہ سے "ماعز
ومینا" کی ضرورت پڑتی رہی ہے اہل نظر جانتے ہیں کہ کہنے والے نے کیا کہا ہے اور ان کو اس
کا بھی علم ہوتا ہے کہ الفاظ وتراکیب کی سرحد سے بہت پرے معانی کا مقصود اصلی کیا ہے۔

قرآن مجید اسی ضمیر انسانی کا ترجمان ہے۔ حضرت امام کے نزدیک گیتا نے بھی اپنے زمانے
میں اسی حقیقت کی ترجمانی کی تھی۔ توریت اور انجیل بھی اسی ضمیر انسانی کے شارح ہیں اور حکماء
نے بھی کہیں کم کہیں زیادہ اس سے پردہ اٹھایا ہے۔ امام کے نزدیک گیتا حق ہے لیکن اس کی
جو غلط تعبیر کی گئی ہے وہ کفر ہے۔ توریت اور انجیل حق ہیں جو غلط معانی ان کے الفاظ کو پہنائے
گئے ہیں وہ باطل ہیں۔ اسی طرح قرآن حق ہے لیکن جس طرح مسلمان اس کو عام طور پر مانتے ہیں اور جو
تفسیر وہ کرتے ہیں وہ حق نہیں ہے۔ اگر گیتا اور انجیل کو غلط طور پر ماننے والے کافر قرار دیئے جاسکتے
ہیں تو قرآن کو غلط مفہوم میں ماننے والے کیسے مومن کہے جائیں گے۔

تعلیمات شاہ ولی اللہ کے آئینہ میں امام سندھی نے قرآن مجید کو اصلی شکل میں دیکھا اور انھیں
معلوم ہوا کہ خالص اور بے میل انسانیت ہی قرآن کا صحیح اور مکمل نصب العین ہے جو تعلیم عام
انسانیت کے تقدم اور تقدیم میں ممد و معاون ہے وہ حق ہے اور جو تعلیم انسانیت کے ارتقاء
میں حارج ہو وہ تعلیم حق نہیں ہو سکتی۔ ان معنوں میں قرآن مجید امام سندھی کا عقیدہ بنا اور قرآن
کے نظام کو بھی شکل دینے کے لیے جدوجہد کرنا زندگی کا مقصد ٹھہرا۔

قرآن کے اصولوں پر خالص انسانیت کا قیام امام سندھی کا عقیدہ ہے۔ ان کے نزدیک خالص
بے میل انسانیت ہی فطرۃ اللہ کی محافظ ہے اور سچا دین اگر ہے تو یہی ہے۔

امام سندھی اپنے اس خیال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اسلام کی تعلیمات

باب لباب قرآن مجید کی اس آیت "ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" ہے یعنی قرآن کا مقصود اصلی سب دینوں سے اعلیٰ دین یعنی سب فکروں سے بلند تر فکر یا سب سے بلند بین الاقوامی نظریہ جو زیادہ سے زیادہ انسانیت پر جامع ہو پیش کرنا اور اس پر عمل کرانا ہے یہ دین دوسرے ادیان کو مٹانے نہیں آیا۔ یہ سب ادیان کی بنیادی صداقت کو تسلیم کرتا ہے اور سب قوموں کے وجود کو مانتا ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ تاریخ میں یہ ہوتا آیا ہے کہ ایک قوم ایک مذہب کو اختیار کرتی ہے اور جوں جوں زمانہ گزرتا ہے وہ اسے اپنے رنگ میں رنگتی جاتی ہے اور اسی طرح انسانی دین قومی دین میں پایا جاتا ہے، لیکن اس قوم کا اصرار ہوتا ہے کہ اس کا دین ہی ساری انسانیت کا دین ہے اور صرف یہی قوم انسانیت کی حامل اور نمائندہ ہے بیشک ابتداء میں ان کا یہ فکر دین انسانی ہوتا ہے اور اس میں ہر رنگ اور نسل والے کو بار مل جاتا ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ قومی بن جاتا ہے اور آخر میں نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ ہر فرد یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں اور صرف میں ہی حق پر ہوں باقی لوگ سب گمراہ اور گمراہ ہیں۔ امام سندھی فرماتے ہیں کہ وہ دین جو ساری انسانیت کا شیرازہ بن کر آتا ہے ایک وقت آتا ہے کہ انتہائی انتشار اور نزاع کا باعث بن جاتا ہے۔ قرآن اس کو کفر قرار دیتا ہے۔ (ص۳۶)

پیش لفظ

مولانا عبیداللہ سندھی وقت کے بہت بڑے مفکر، عظیم انقلابی، بلند پایہ سیاستدان اور جلیل القدر عالم دین اور فکر و عمل کی ایک جامع شخصیت تھے۔ انھیں حدیث، فقہ، اصول ـــ تمام علوم اسلامی خصوصًا تفسیر میں محققانہ مقام حاصل تھا۔ تفسیر میں وہ ایک مستقل مکتبۂ فکر کے بانی تھے۔ امام ولی اللہ دہلوی کے علوم و معارف میں وہ برعظیم پاک و ہند کے بلند پایہ محقق اور عظیم شارح تھے۔ علوم و معارف ولی اللٰہی میں وہ مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اس دور میں وہ تحریک کے مستقل امام تھے۔ ان کی سیاسی زندگی کے تجربات، مشاہدات، تاریخ کے مطالعے، قرآن حکیم میں غور و تدبر اور ان کے سیاسی و دینی افکار کی جامعیت زندگی کی سطح کی ضرورتوں سے لے کر کل انسانیت کی تعمیر و ترقی کے عظیم الشان منصوبوں تک وسیع اور ان کی جامع تھی۔

امام عبیداللہ سندھی کی زندگی، ان کی شخصیت و سیرت اور افکار و خدمات کے پہلوؤں، اسلامیان ہند پاکستان کی تاریخ، خصوصًا سندھ کی تاریخ تہذیب و سیاست اور سلسلۂ ولی اللٰہی کی قدیم و جدید علمی و سیاسی شخصیات پر تحقیق و تصنیف اور تالیف و تدوین کے کاموں کے لیے "مولانا عبیداللہ سندھی اکیڈمی" کا قیام عمل میں آیا ہے۔

الولی کا زیرِ نظر "مولانا عبیداللہ سندھی نمبر" پیش نظر علمی و تحقیقی اور تصنیفی کاموں کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ نمبر بہت عجلت میں مرتب کیا گیا ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ یہ حضرت مولانا سندھی مرحوم کے شایانِ شان نہیں۔ ایک رسالے کے ۸۰ یا ۱۰۰ صفحے مولانا کی شخصیت اور افکار و خدمات کے جامع تذکرے کے لیے کافی ہی نہیں ہو سکتے لیکن حالات نے لوگوں میں مولانا مرحوم کے افکار اور کارناموں کے مطالعے کا جو شوق اور ان پر تحقیق اور تصنیف و تالیف کی جو تحریک پیدا کر دی ہے، ہمیں توقع رکھنی چاہیے کہ آئندہ جو کام انجام پائیں گے وہ اس سے بہتر، بلند، جامع اور ہر طرح مولانا مرحوم کی عظیم شخصیت کے شایانِ شان ہوں گے۔

امید ہے کہ علوم و معارف ولی اللٰہی کا ذوق اور مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم سے عقیدت رکھنے والوں اور شائقینِ علم و مطالعہ میں اس کوشش کو ضرور پسند کیا جائے گا۔

ابو سلمان شاہجہانپوری

ابوالعلاء محمد اسمٰعیل گودھروی

تفسیر القاء الرحمٰن

ترجمہ

تفسیر الہام الرحمٰن

بیسویں قسط

اشہر حرام میں مفاسد قتال و جنگ ہمارے نزدیک مسلم ہیں لیکن بعض اوقات کوئی مصلحت ان مفاسد پر راجح ہوتی ہے اور خدا کا فرمان ہے:

وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ
اور ان کے اہل کو مسجد حرام سے نکال دینا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور فتنہ تو قتل سے بڑا گناہ ہے۔

تو ہم قتال و جنگ کی ممانعت اشہر حرم اس وقت تک کہتے ہیں کہ عدم قتال تغلب کفار تک مودی نہ ہو اس صورت میں ہم بھی امتناع قتال کے قائل ہیں۔

اور خدا کا فرمان ہے

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۗ
اور یہ لوگ تم سے ہمیشہ قتال کرتے ہی رہیں گے تا آنکہ تم کو اپنے دین سے پھرا دیں اگر وہ اس کی طاقت پائیں۔

اور ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ ہم دین سے پھر جائیں، کیونکہ

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ الخ
اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر گیا اور مر گیا الخ

قولہٗ تعالیٰ
خدا کا فرمان!

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا
اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور

وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لا اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۲۱۸

اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ رحمت خدا کی امید کر سکتے ہیں اور اللہ بہت بڑا غفار اور مہربانی کرنے والا ہے۔

اور ایمان متوسطا اجماعیہ کے ارتقاء میں ہجرۃ اور جہاد الگ ہو جاتے ہیں کیونکہ ہجرت و جہاد ارکان ایمان ہے اور جہاد بہت سے مال کا طالب ہے اور مال اقتصاد صالح کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تو کیا شریعت اس مال کو جو لازمۂ جہاد ہے تو کیا اس کا حصول غیر شرعی طریقہ پر جائز ہے ؟ اور تقویۃ الابدان شراب پینے سے ہوتی ہے تو کیا اس کا پینا جائز ہے ؟ اس کا جواب اس آیت میں ہے۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط

اے پیغمبر ! لوگ تم سے شراب اور جوے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو ان لوگوں سے کہدو ان دونوں میں گناہ اور نقصان ہے کچھ فائدہ بھی نہیں لیکن ان کا گناہ اور نقصان بڑھ کر ہے۔

جبکہ مال لازمۂ جہاد ہے اور اس کا حاصل کرنا بجز ایک معیّن صورت کے ممکن نہیں ہے تو اجماعیہ کا ہر فرد خرچ کرے ؟ اس کا جواب آنے والی آیت میں ہے :

وَیَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط

اور اے پیغمبر ! یہ لوگ دریافت کرتے ہیں کہ خدا کی راہ میں کتنا خرچ کریں تو ان سے کہدو کہ جتنا تمہاری حاجت سے زیادہ ہو۔

یعنی ہر وہ چیز جو اپنی ضرورت و حاجت سے زائد اور فاضل ہو اس کا خرچ کرنا واجب ہے۔

قولہ تعالیٰ

خدا کا فرمان !

كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (۲۱۹) فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ط

اسی طرح اللہ اپنے احکام تم کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں غور کرو۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں خرچ کرنے کی مقدار بیان نہیں کی۔ خرچ کا معاملہ خرچ کرنے والوں کے حوالے کر دیا اور اس سارے معاملے کو انھیں کے سپرد کر دیا تاکہ امور جہاد میں بلا سوچے سمجھے بغیر فہم و تدبر خرچ نہ کردیں۔ میں نے بہت غور کیا تو سمجھا کہ مشتغلین جہاد ہمیشہ مجتہد فی الفقہ ہوا کرتے ہیں اگرچہ ان کا اجتہاد کسی درجہ کا بھی ہو لیکن قاعداد بھیسڈی تو جہاد کے قریب پھٹکتے بھی نہیں اور ہمیشہ اس سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔

قولہٗ تعالیٰ

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۗ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۗ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۲۰

خدا کا فرمان!

اے پیغمبر تم سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو تم ان کو سمجھا دو کہ جس میں ان یتیموں کی بہتری ہو اسی میں بہتر ہے اور اگر ان سے مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ بگاڑنے اور سنوارنے والے کو پہچانتا ہے اور اگر خدا چاہتا تو تم کو مشکل میں ڈال دیتا بے شک اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

اور دنیا و آخرت میں تدبّر و تفکّر کی مثال جس کا حکم کیا گیا ہے اس طرح ہے کہ جہاد و قتال جب ہمیشہ جاری رہے گا تو مجاہدین بہت سے قتل اور شہید ہو جائیں گے اور یتیموں کی کثرت ہو جائے گی اور جن مجاہدین کے پاس مال ہوگا وہ باقی رہے گا۔ اس کا کوئی محافظ و نگران نہ ہوگا اسوقت اولیاء مقتول کا فرض ہوگا کہ وہ یتیموں کی پرورش کریں۔ اور ان کا مال امانت رکھیں۔ پس اگر اولیاء کو حکم دیا جائے کہ وہ بالکل الگ تھلگ رہیں تو یتیموں کو شاق ہوگا اور اس لئے ان یتیموں کا مال اپنے مال کے ساتھ خلط ملط کر لیا کریں اور غور و تدبر اور اجتہاد کیا کریں کہ ان یتیموں کو مصلحت سے پہنچاتا رہے اور ایسا کرنا ان پر واجب ہے پس اگر وہ اپنا مال یتیموں کے مال سے الگ تھلگ رکھیں اور اس میں ان کی خیر و بھلائی ہے۔ تو الگ تھلگ کر دیں اگر وہ سمجھیں کہ اپنے مال کے ساتھ ملانے میں یتیموں کو فائدہ ہے تو ملا دیں لیکن ہر حال میں شرط یہی ہے کہ یتیموں کی اصلاح پہلے ہونی چاہیے۔ مصالح حرمیہ بیان ختم ہوئے۔

مسئلہ

اجتماعیہ متوسطہ صالحہ ادارہ مدنیہ کا محتاج ہے کہ یہ ادارہ حسب ضرورت و احتیاج قوانین وضع کرتا ہے مثلاً وزارت داخلیہ کے لئے قوانین وضع کئے جائیں اور یہ مصلحت اداریہ ایسی چیز ہے کہ اس سے نظام و تقویم اجتماعیہ کی تکوین ہوتی ہے۔

اور آیات ۲۲۱ — ۲۴۲ میں خدا نے احکام نکاح و طلاق، رضاعت و عدت وفات کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے ہم احکام کی مصلحتیں بیان کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور اجتماعیہ ایک ادارہ کے ماتحت جو مہاجرین اور انصار کرتے تھے چلاتے تھے جس طرح کہ ایک والد گھر میں اپنی اولاد کو ایک ادارہ کے ماتحت چلاتے ہیں۔

عورتوں کو جب کبھی اپنے شوہروں سے شکایت ہوتی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ ان کی شکایت سنتے اور شکایت کا ازالہ فرما دیتے۔ آپ عورتوں اور ان کے شوہروں کے درمیان قاضی ہوتے اور اس اختلاف میں جو میاں اور بیوی میں ہوتا فیصلہ فرما دیتے اس سے قوت ادار یہ مہاجرین و انصار۔ پوری طرح سمجھ میں آجائیں گی۔ اور آپ فرماتے:

خیرکم خیرکم لاھلہ   تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو اپنی اہل کے ساتھ خیر و بھلائی کرے۔

جیسے کہ صوفیہ کہا کرتے ہیں۔

العالم شخص اکبر والانسان   عالم شخص اکبر ہے اور انسان شخص اصغر۔

شخص اصغر

اور وہ یہ کہ جو کچھ عالم میں موجود ہے انسان کے اندر موجود ہے اور اسی طریقہ سے لوگ اپنی حکمت کا علم حاصل کر سکتے ہیں اور یہ فہم قوی انسانیت اور اس کے نظام کے درس سے حاصل ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ منزل و گھر اسی وقت پورا پورا ہوگا جبکہ میاں بیوی، اولاد اور عورتیں، خادم سب کے سب مرافق حیات میں متفق و یکساں ہوں اور یہ شخص اصغر ہے اور دولت و مملکت شخص اکبر ہے۔ جو شخص ادارہ منزلی پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے وہ امور مملکت کو بھی احسن طریقہ پر چلائے گا جبکہ امور مملکت اس کے سپرد کیے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امراء، قائدین، قضاۃ اور داعی اور   خراج وصول کرنے والوں کو بھیجا کرتے تھے تو اسی طریقہ پر بھیجا کرتے تھے۔ آپ ہر شخص کی قیمت، اس کی استعداد و صلاحیت اور اس کی قوت اداریہ کو اچھی طرح جانتے تھے اور اکثر ان میں سے صحیح مصیب اور موفق ہوتی تھیں۔

اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ نے کوئی مدرسہ قائم نہیں کیا تھا جس سے کوئی مدبر پیدا ہوا کریں بلکہ یہ حضرات سنتوں پر چلا کرتے تھے اور سنتوں کو جاری اور نافذ کیا کرتے تھے۔ یہ حضرات الٰہی لوگوں کو

لہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے لئے معاویہ اور ابو جہم دونوں نے پیغام کیا ہے۔

اور امارت سپرد کرتے تھے جو اپنی اہل، پڑوسیوں قبیلے کے لیے اچھا ہوتا تھا اور اس سے وہ کامیاب ہوا کرتے تھے۔

پس ہمارا استنباط ایسا نہیں ہے جس کی طرف التفات نہ کیا جائے اگر اہل علم اس کو ایک بدیہی امر سمجھتے ہیں اور اس لئے ایسا سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ اداروں کے امور کو قرآن سے مستنبط نہیں کرتے اور امراء اداروں کے ذریعہ حسب استعداد و صلاحیت اس پر عمل کرتے ہیں اور یہ ان کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

لیکن میں ایک ہندو برہمن سے ایک آفت میں مبتلا ہو گیا کہ وہ ایک جلسہ میں کہہ رہا تھا "قرآن امور منزلیہ سے پر ہے" (اس سے وہ قرآن کی تنقیص کرنا چاہتا تھا) لیکن "اوپنشد برہمنوں کی کتاب الالہیات سے مملو ہے" اس سے وہ قرآن پر اوپنشدوں کی افضلیت ثابت کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اس سے بڑا دکھ اور رنج ہوا۔ اس سے کچھ دنوں بعد مجھ پر کھلا کہ اجتماع کا قیام اسکے اجتماعیہ کی صلاحیت افراد کی صلاحیت سے وابستہ ہے اور امور اجتماعیہ کی تنظیم اس وقت ہوتی ہے کہ ادارہ ایک قوی ترین مدبر کے ماتحت ہو ——— قرآن نے مسائل منزلیہ کا بیان کیا ہے لیکن اس کی تکمیل ادارہ فی الاجتماعیہ کی طرف رجوع ہوتی ہے اب رہے مسائل توحید اور حقائق الالہیات تو قرآن حکیم سے بڑھ کر کسی کتاب میں اس کی وضاحت و تشریح نہیں کی بلکہ مسائل توحید جیسے قرآن میں موجود ہیں۔ کسی کتاب میں موجود نہیں ہیں چہ جائیکہ اس سے زیادہ وضاحت سے بیان کئے گئے ہوں۔

قرآن کریم چونکہ حقائق الآلہیات اور تدابیر اجتماعیہ پر مشتمل ہے اور اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ اس کا موازنہ اس کی برابری فلسفہ الآلہیات کی کوئی کتاب بھی نہیں کر سکتی۔

پھر میں نے اس طریقہ پر غور و تدبر جاری رکھا تو مجھے بہت سے فوائد حاصل ہوئے اگرچہ اہل علم اس کو قبول و استحسان کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔ لیکن یہ ابتداء میں ہوگا لیکن جب یہ لوگ اس کے نتائج ہونے کے بعد اس سے مانوس ہو جائیں گے اس وقت اس کی قدر کریں گے۔

معاویۃ صعلوک لا مال لہ واما ابو جہم — معاویہ بھوکے ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے اور ابو جہم ایسے آدمی

فرجل لا یضع العصا عن عاتقہ — ہیں کہ عصا ان کے کندھوں سے رکھتے ہیں۔

یعنی اپنی بی بی کو خوب مارا پیٹا کرتے ہیں۔ اور ابو ذر کو آپ نے وصیت فرمائی کہ امارۃ کبھی قبول نہ کریں۔ کیونکہ یہ ضعیف الارادہ آدمی تھے۔ اگر آپ یہ نہ جانتے تو کیسے یہ حکم لگاتے۔

کتبہ نور محمد

میری فکر میرے غور و تدبر میں حجۃ اللہ البالغہ کے ابواب ارتفاقات نے بہت مدد پہنچائی ہے۔ اگرچہ میری فکر اور غور و تدبر کا سرچشمہ ایک غیر مسلم کا اعتراض ہوا تھا۔

اس کے بعد دولت عثمانیہ کے سقوط کو دیکھا کہ سیاسیین کی ایک جماعت اس بات کا دعویٰ لے کر کھڑی ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت اسلامیہ کے لیئے کوئی صحیح نظام نہیں چھوڑا، اور مسلمان اس بارے میں مختار کل ہیں[1]۔ اس وقت میری فکر میرے غور و تدبر نے مجھے بہت ہی فائدہ پہنچایا اور میں نے اس کو دیکھا کہ ان لوگوں نے اسلام کی تاریخ سمجھنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔ قرآن حکیم نے بعض عظماءِ عالم کے اداروں سے بہت سے امور کا ذکر کیا ہے۔ جب ہم ان امور کو ایک نظم میں لے آئیں اور ان کو منظم کر لیں تو یہ ہمارے لیے ایک اعظم دول اور اقوی حکومات عالم کی ایک اعلیٰ سے اعلیٰ مثال پیش کریں گے اور امور منزل میں قانون سیاست اجتماعیہ کی تاسیس ہو گی اور اس سے اکمل اور بہترین قانون اور زیادہ سے زیادہ یقینی ہوگا ——— لیکن ایک بلا اور مصیبت میں مسلمان گرفتار ہیں کہ وہ وحی کو قرآن میں محصور نہیں مانتے[2] اور کتاب اللہ کی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض نہیں مانتے اور یہ

---

[1] یعنی لوگ اپنی مصلحتوں میں مختار کل ہیں۔

[2] وحی صرف قرآن میں محصور ہے اور اس پر دلیل حضرت عائشہ کا قول ہے۔

لو رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدثتہ النساء۔ (الحدیث)

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو دیکھتے جو آج عورتوں نے ایجاد کر لیا ہے ضرور منع فرما دیتے

اور ساتھ ہی ساتھ اس قول خداوندی کو بھی ملحوظ رکھا جائے

وما کان ربک نسیا

تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے

اور حدیث قصۂ تابیر نخل یعنی کھجور ایک دوسرے پر یعنی نر کو مادہ پر چڑھانے کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ فرمایا کہ:

انما انا بشر مثلکم

میں تم جیسا ایک بشر ہوں

اور حدیث زید بن کو ملحوظ رکھا جائے کہ ان کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے حدثنا بحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ کوئی حدیث ہمیں سناؤ تو ان کا یہ کہنا:

اذا ذکرنا الطعام ذکرہ معنا واذا ذکرنا الدنیا ذکرھا معنا (الحدیث)

جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ ذکر کرتے اور جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ اس کا بھی ذکر کرتے۔

نہیں سمجھتے کہ ہر وہ چیز جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا قرآن سے مستنبط اور مستخرج تھا۔ اس طرح ان
کے کلمہ میں ایک قسم کی نومویت گھس گئی۔ یہ لوگ جب کسی روایت ثابت یا ضعیف دیکھ لیتے تو اسے اپنے امور کی آخری اور
پختہ دلیل مان لیتے ہیں۔

امام ولی اللہ نے اس قسم کی فکر کو غلط مانا ہے اور فرماتے ہیں کہ اگر وہ تتبع کریگا تو ان احادیث کا جو ابواب
نماز میں وارد ہیں تو اہ کل کو قرآن سے مستنبط پائے گا لیکن ہمارا طریقہ استنباط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے طریقہ استنباط سے الگ ہے اور پھر ان استنباطات کو اپنی بعض کتابوں میں بطور مثال پیش کیا ہے کہ اگر
طالب علم اس فکر سے تمسک کریں اور مضبوطی سے اس کو تھام لیں اور وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت ہے۔ وہ واجب ہے اور وہ قرآن سے مستنبط ہے۔ تو اس پر ابواب علم کھل جائیں گے۔ لیکن مسلمانوں
نے تو تدبر فی القرآن سے قطعًا منہ موڑ رکھا ہے (الا ماشاء اللہ) اور ان کے پاس اپنی عظمت تاریخیہ میں کچھ باقی
نہیں مگر کچھ تھوڑا ہی سا حصہ[1] اور نعمت عظمیٰ جو ہمارے ہاتھ میں ہے وہ یہ ہے کہ قرآن تحریف سے محفوظ ہے۔

اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر الفاروق کا کثرت روایت سے منع کرنا اور سفیان ثوری کا قول:

لو کان فی الحدیث خیر لذهب الخیر — اگر حدیث میں خیر ہے تو یہ خیر تو چلی گئی

اس قسم کے آثار کو ملحوظ رکھا جائے

یہاں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو کہتی ہے

الحدیث من الوحی — حدیث بھی وحی ہے — محمد نور مرشد

[1] اور ان لوگوں میں جو احادیث کو قرآن سے مستنبط کرتے ہیں، امام شافعی بھی ہیں، جیسا کہ مقدمہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

اور ہمارے علماء میں سے ابوبکر الرازی الجصاص حنفی نے اپنی کتاب احکام میں کئی جگہ ذکر کیا ہے اور امام ولی اللہ نے بھی اپنی
کتاب خیر کثیر میں کہا ہے۔ محمد نور مرشد،

اور مسلمانوں کو تدبر قرآن سے اس چیز نے دور رکھا ہے کہ ان میں یہ عام طور پر شائع ہے کہ اگر قرآن پر تدبر نہ
کریں تب بھی ان کو ثواب ملے گا اور ایسا سمجھنا قرآن کے مناقض ہے اور یہ قرآن سے یہ ثابت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ
اپنی تفسیر سورۂ اخلاص میں اور قرطبی نے اپنی کتاب تذکار من افضل اذکار وغیرہ میں لکھا ہے اور میں نے خود ایک
رسالہ لکھا ہے جس میں میں نے اقوال علماء جمع کیے ہیں کہ قرآن بغیر فہم و تدبر پڑھنا مذموم ہے۔

محمد نور مرشد

دوسری چیز یہ کہ تمام وسائل لازمہ اس شخص کے لیے اس میں موجود ہیں جو قرآن میں غور و تدبر کرنا چاہے۔

بعض لوگ ہمارے اس طریقہ عمل کا استہزاء کرتے ہیں اور یہ لوگ ہماری طرح بلاؤں میں مبتلا نہیں ہوئے ہیں۔ اور ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں — اور اب ہم استنباط احکام کی تشریح کرتے ہیں۔

قولہٗ تعالیٰ	خدا کا فرمان !
وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۲۲۱)	مسلمانو! مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو اور مشرک عورت کیسی ہی تم کو بھلی کیوں نہ لگے اس سے مسلمان لونڈی بہتر اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائے عورتیں ان کے نکاح میں نہ دو۔ مشرک تم کو کیسا ہی بھلا کیوں نہ لگے اس سے بہتر غلام ہے یہ مشرک مرد و زن تو تم لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اللہ اپنی عنایت سے بہشت کی طرف بلاتا ہے اور اپنے احکام لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو یاد کرلیں۔

اللہ تعالیٰ نے مومن مرد کا نکاح مشرک عورت کے ساتھ اور مومن عورت کا نکاح مشرک مرد کے ساتھ حرام کر دیا ہے۔ اور اس کی حکمت بیان کر دی کہ یہ دعوت جہنم کی طرف ہے اور مومن کسی کی اتباع نہیں کرتا سوائے دعوت الٰہی کے جو جنت و مغفرت کی طرف دعوت ہے اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کا رُخ حظیرۃ القدس کی طرف ہے اور دوسرے کا رُخ حظیرۃ القدس کے خلاف ہے۔

جب کوئی گھر اس نظام پر نہیں کہ گویا شخص واحد ہے جو اعضاء مختلفہ سے مرکب ہے اور ایسی میاں ہے کہ باہم نفرت نہیں رکھتے۔ جب ایسا ہوگا تو ان میں آپس میں کس قسم کا امتزاج ہوگا؟ اور کس قسم کی ترکیب ہوگی؟

الاستنباط

کافر کے لیئے جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کی آبادیوں پر حکومت کرے اور مومن جاہل جو مثل غلام کے ہے انجام کار مومن عقلاء کے نزدیک زیادہ قابل تعریف ہوگا اس کافر عاقل فاضل سے جو ان پر حکومت کرے۔

یہ مسئلہ حکمت اداریہ میں خاص اہمیت رکھتا ہے اور اس کا استنباط اس آیت سے بہت واضح ہے اگر ہم ایک گھر کو مثل ایک دولت ایک حکومت و مملکت کے سمجھیں اس کا تعلق ہم سے فرما کے اس قول سے اس قول تک کہتے ہیں۔

وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

اللہ لوگوں کے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ ان کو یاد کر لیں۔

تو کیا اس مثال میں تذکر دعوت امر کلی کی طرف نہیں ہے؟ اور پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس سے ہم عدم جواز نکاح کتابیات کو بھی مستنبط کریں۔

اور اس قسم کی مثالوں سے ہمارا جواب یہ ہے ہر کلمہ سے حکمت مستنبط نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ اس قسم کا استنباط وہاں جاری ہوتا ہے جہاں تمام واقعات ایک ہی قسم کے ہوں۔ لیکن جب ہم ایک کو دوسرے پر قیاس کرتے ہیں تو ایک جنس جو تین درجے نوع بعید ہے اس پر قیاس کرتے ہیں۔ تو تمام خصوصیات نوع مستنبط پر منطبق نہیں ہوتیں اس وقت صرف ایک چیز باقی رہ جاتی ہے اور وہ نوع اور جنس رابطہ، اور رابطہ جنس کا جنس ہے۔

اور اسی طرح ہم اپنی فہم پر اعتماد کرتے ہیں۔ بہت سی چیزوں کا استنباط نہیں کرتے کہ جن کا ثبوت سنت نہیں ہے اور بوجہ اس کے کہ ہم تمام جزئیات کا استنباط نہیں کرتے یہ ہمارے لئے مانع نہیں ہے کہ بعض اشیاء جو سنت میں موجود ہیں آیات سے علی سبیل الاعتبار ان سے استنباط نہ کریں اس سے تم کو کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

اور میرا اعتقاد ہے اگر اہل علم اس قسم کے استنباط کی طرف توجہ کریں تو اس سے بھی بہتر وہ پائیں گے جو ہمارے پاس ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے نکاح کتابیات سے ایک مصلحت خاص کی وجہ سے ممنوع قرار دیا تھا۔ اور یہ مصلحت صرف مصلحت مومنات کی طرف رجوع ہوتی ہے۔

اور یہ اس لیے کہ کتابیات سے نکاح کرنا ایک مصلحت خاص کی وجہ سے تھا۔ کوئی دائمی اور طبیعی اسلام کا حکم نہیں تھا۔

قد تمت

(جاری)

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

پیدائش و خاندان:

مولانا عبیداللہ سندھی ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیانوالی (تحصیل ڈسکہ) میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک ہندو خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کے باپ کا نام رام سنگھ اور دادا کا نام جسپت رائے ولد گلاب رائے تھا۔ ان کے والد رام سنگھ نے سکھ مذہب اختیار کر لیا تھا۔

نام:

مولانا سندھی مرحوم کا خاندانی نام بوٹا سنگھ تھا۔ عبیداللہ نام انھوں نے خود اپنے لیے تجویز کیا تھا پہلے وہ اپنا نام حضرت سلمان فارسی کے تتبع میں عبیداللہ بن اسلام لکھا کرتے تھے لیکن جب بعض عرب دوستوں کے اصرار سے انھیں اپنا نام والد کی طرف منسوب کرکے لکھنا پڑا تو عبیداللہ بن ابی عائشہ لکھا۔ عائشہ" بیوی" کا ترجمہ ہے جو ان کی بڑی بہن کا نام تھا۔ مولانا سندھی لکھتے ہیں کہ "اب اگر کسی نے مزید صراحت کے لیے مجبور کیا تو عبیداللہ بن راما بن رائے لکھوں گا"۔ راما اور رائے ان کے باپ اور دادا کے نام کے اجزاء ہیں۔

خاندان کا پیشہ:

خاندان کا اصل پیشہ زرگری تھا لیکن ایک عرصے سے خاندان کے کچھ لوگوں نے سرکاری ملازمت بھی اختیار کر لی تھی اور بعض افراد ساہوکارا بھی کرتے تھے ان کے دادا سکھوں کے عہد حکومت میں اپنے گاؤں کے کاردار تھے۔

باپ اور دادا کا انتقال:

مولانا سندھی مرحوم کی پیدائش سے چار ماہ قبل ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ دو سال کے تھے کہ

دادا کا سایۂ عاطفت بھی سر سے اٹھ گیا۔ دادا کے انتقال کے بعد ان کے ددھیال میں کوئی ایسی شخصیت اور مادی وسیلہ باقی نہ رہا تھا جس کے سہارے وہ اور ان کی بیوہ والدہ زندگی گزار سکیں اس لیے ان کے نانا انھیں اپنے گھر لے گئے۔

ننھیال:

نانا نے اپنی بیوہ بیٹی اور یتیم نواسی اور نواسے کو نہایت آرام سے رکھا اور ناز و نعم سے ان کی پرورش کی مولانا سندھی مرحوم اپنے ماں باپ کی دوسری اولاد تھے۔ ایک ان سے بڑی بہن تھیں جن کا نام جیونی تھا لیکن ماں باپ کے انتقال ہو جانے، تنہا اولاد نرینہ ہونے، نیز چھوٹے ہونے اور بیوہ بیٹی کے دل کا سہارا اور آرزوؤں کا چراغ ہونے کی وجہ سے ان کے نانا ان سے بہت محبت کرتے تھے لیکن ان کی عمر پورے چھ سال کی کی بھی نہ ہوئی تھی کہ نانا کا انتقال ہو گیا۔ اب وہ اپنے دو ماموؤں کے زیر سایہ پرورش پانے لگے۔ ان کے دونوں ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں پٹواری تھے۔

تعلیم:

۱۸۷۸ء میں جب کہ مولانا مرحوم کی عمر چھ سال کی تھی ان کی تعلیم کی ابتداء ہوئی اس کے لیے انھیں جام پور کے اردو مڈل اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ اس اسکول میں انھوں نے تقریباً ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ ایک سال بعد وہ کسی ہائی اسکول میں جانے والے تھے لیکن قضا و قدر کا فیصلہ ان کے باب میں کچھ اور ہو چکا تھا ان کی فطری سعادت اور نیک بختی نے اسلام کی صداقت کو ان کے قلب سلیم پر آشکارا کر دیا اور ان کے بخت کی فیروز مندی نے انھیں اسلام کی آغوشِ رحمت میں لا ڈالا۔

اسلام کا تعارف:

اسلام سے ان کا قلبِ سلیم کیوں کر متاثر ہوا؟ اس کی روداد مولانا مرحوم کے الفاظ میں پڑھیے، فرماتے ہیں:

"۱۸۸۴ء میں مجھے اسکول کے ایک آریہ سماج لڑکے کے ہاتھ سے تحفۃ الہند ملی۔ میں اس کے مسلسل مطالعے میں مصروف رہا اور بالتدریج اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا۔ ہمارے قریب کے پرائمری اسکول (کوٹلہ مغلاں) سے چند ہندو دوست بھی مل گئے جو میری طرح تحفۃ الہند کے گرویدہ تھے انھیں کے توسط سے مجھے مولانا اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان ملی۔ اس کے مطالعے پر اسلامی توحید اور بدانک شرک اچھی طرح سمجھ میں آگیا۔ اس کے بعد مولوی محمد صاحب لکھوکی کی کتاب احوال الآخرۃ (پنجابی)

ایک مولوی صاحب سے ملی۔ اب ہیں نے نماز سیکھ لی اور اپنا نام تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر عبید اللہ خود تجویز کیا۔ احوال الآخرۃ کا بار بار مطالعہ اور تحفۃ الہند کا وہ حصہ جس میں نومسلموں کے حالات لکھے ہیں، یہی دو چیزیں جلد اظہارِ اسلام کا باعث بنیں ورنہ اصل ارادہ یہ تھا کہ جب کسی ہائی اسکول میں اگلے سال تعلیم کے لیے جاؤں گا تو اس وقت اظہار اسلام کروں گا۔"

ہجرت الی اللہ:

ان کتابوں کے بار بار کے مطالعے سے ان کے قلب سلیم میں جذباتِ صالحہ و صادقہ کا ایک ایسا فطری جوش پیدا ہو گیا کہ وہ اسلام کے اعلان و اظہار کے لیے کسی خاص وقت کا انتظار نہ کر سکے۔ ۱۵ / اگست ۱۸۸۷ء کی مبارک شب کو یہ پندرہ سالہ نومسلم بچہ جس کی روح روزِ ازل سے سعید و مسلم تھی اللہ پر بھروسا کر کے ایک مسلمان بچے عبدالقادر کی رفاقت میں اور عربی مدرسے کے ایک طالب علم کی رہنمائی میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

ذہنی کشمکش:

والدہ اور بہن سو رہی تھیں، انھیں سوتا چھوڑا، در و دیوار پر آخری نظر ڈالی، لب خاموش تھے لیکن زبانِ حال گویا تھی۔ اے میری پیاری اور عزیز بہن میرے سینے میں پتھر نہیں اپنے پہلو میں تمھارے لیے ایک محبت بھرا دل رکھتا ہوں، لیکن اللہ کی محبت کا تقاضا ہے کہ میں تم سے کنارہ کشی اختیار کر لوں، اللہ پر ایمان اس کے بغیر کامل نہیں ہو سکتا کہ تم سے زیادہ میں اللہ سے محبت کروں۔ میں نے لیلیٰ صداقت کی شبیہ دل افروز دیکھ لی ہے، میں نے نیکی کا چہرہ دیکھ لیا ہے۔ میں ان کے قرب کا خواہاں ہوں، میں اب ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا لیکن نیکی کی اس ملکہ اور لیلیٰ صداقت کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ قربانی کی طالب ہے۔ زندگی کی حسین ترین متاع کی قربانی مانگتی ہے میں اپنے عشق میں صادق اور طلب میں سچا ہوں۔ اب میں زیادہ دیر تک اس سے دوری گوارا نہیں کر سکتا۔ میں اس کے ہجر کے صدمے برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے نیکی پکار رہی ہے، صداقت مجھے آواز دے رہی ہے، میری زندگی کی سعادت ابھی تک مجھ سے دور ہے میں جلد سے جلد اس سے ملاقی ہونا چاہتا ہوں۔

سرمایۂ حیات:

میں نے اپنی زندگی کے سرمائے پر نظر ڈالی ہے، آہ! میرا دامن خالی ہے اس میں کوئی ظاہری اور مادی سرمایہ نہیں میرے پاس ماں کی شفقتوں اور بہن کی محبتوں کے سوا کچھ بھی نہیں لیکن یہ تو معنوی اور اضافی دولت ہے! کیا یہ اضافی اور معنوی دولت جو بلاشبہ میرے لیے دنیا کی عزیز ترین متاع ہے سرمایۂ بے بہا ہے، اسی پونجی

زندگی کی خوشیوں کا مدار ہے۔ یہ نیکی کی ملکہ کے حضور میں مقبول ہو گی؟ رُوح کی ازلی سعادت مسکرائی اور کہا محل و قصور کے مالکوں اور دولت و سرمایہ داروں کے لیے محلوں اور خزانوں میں آزمایش ہے لیکن اولاد والوں کے لیے ان کے بچوں میں اور بچوں کے لیے آزمایش ان کے ماں باپ اور بہن بھائیوں میں ہے پس تم ماں اور بہن کی محبت و شفقت کو حقیر نہ سمجھو۔ یہ دولت معنوی اور اضافی کیوں ہو؟ یہ زندگی کی زینت ہے ان سے حیاتِ انسانی کی آرایش ہوتی ہے یہ قلب کے لیے سکون اور جان کے لیے راحت کا باعث ہے۔ تم نے سچائی سے عشق کا اظہار کیا ہے کیا تم اس اس کے لیے یہ قربانی نہیں دے سکتے؟

دعویٰ اور آزمایش

دل نے کہا! کیا اسی جہاں آبادِ الفت میں لیلیٰ صداقت کے لیے حجلۂ عروسی تیار نہیں کیا جاسکتا؟ رُوح کی سعادت نے جواب دیا عشق پھولوں کی سیج اور عیش کا بستر نہیں، عشق نام ہے انگاروں پر لوٹنے اور کانٹوں پر دوڑنے کا، عشق مقیم زندگی کا جمود نہیں، عشق عزیت کدۂ دہر میں محبوب کے ہجر و فراق میں تڑپنے اور ہمیشہ تڑپتے رہنے کا نام ہے اگر دنیا میں کسی نے پھولوں کی سیج اور بستر عیش پر مرنے ہی کا نام زندگی رکھ چھوڑا ہے، اگر مقیم زندگی کا جمود ہی کسی کی نظر میں سرمایۂ حیات ہے۔ اگر کوئی انگاروں کو اپنے دامن میں نہیں بھر سکتا ہے کہ دامن جل جانے کا خطرہ ہے، اگر کوئی کانٹوں پر دوڑنے سے اس لیے ڈرتا ہے کہ اس کے تلوے زخمی ہو جائیں گے۔ اگر محبوب کے ہجر و فراق میں تڑپنے اور ہمیشہ تڑپتے رہنے کی لذت سے کسی کا قلب آشنا نہیں، تو کیا ضروری ہے کہ کسی کی محبت کے دعوے سے زبان کو آلودہ کرے۔ اگر پائینچے بھیگ جانے کا خیال ہے تو دریا میں اُترا ہی کیوں جائے۔ اگر نہنگوں کا ڈر ہے تو سمندر میں کودنے کا مشورہ کون دے سکتا ہے۔ ممکن ہے پہلے غوطے ہی میں نہنگوں کا سامنا کرنا پڑ جائے اگر زخمی ہونے کا خطرہ دامن گیر ہے تو کس نے کہا ہے کہ میدان کارزار کا رُخ کریں؟ لیکن اگر نمازِ عشق ادا کرنی ہے تو وضو اس کی شرائط میں ہے اور وضو کریں گے تو ناممکن ہے کہ آپ کے دامن و آستین پر پانی کے چھینٹے نہ پڑیں اور پائینچے تر نہ ہوں اگر آپ کو موتیوں کی تلاش ہے تو نہنگوں کے ڈر کو دل سے نکالنا پڑے گا۔ اگر آزادیِ حیات کے طالب ہو اور اپنی طلب میں سچے ہو تو اس کے لیے چہرہ و سینہ بھی زخمی ہو گا اور ممکن ہے کہ تختۂ دار پر اپنی طلب کی سچائی کا ثبوت دینا پڑے۔

نیکی کی مغرور ملکہ:

نیکی کی ملکہ بہت مغرور واقع ہوئی ہے اور اس کی غیرت کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ جو دل اس کی محبت کا مدعی

ہو اس میں کسی اور کی محبت بھی موجود ہو۔ نیکی کا عشق اور دنیا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی۔ انسان کا دل بیک وقت نور و ظلمت کا آشیانہ نہیں بن سکتا۔ پس اگر تمھیں نیکی سے عشق ہے اور اس کے قرب و وصل کے خواہاں ہو تو یہ دل و دماغ سے نکال دو کہ وہ اس گوشۂ ظلمت میں تمھیں اپنے قرب کی سعادت اور وصل کی لذت بخشے گی کیونکہ نیکی کبھی جاہلی رسم و رویت کی پابند نہیں ہوسکتی۔ رسم و رویت اس کے حسین چہرہ کے لیے غازہ نہیں غبار ہے اسے اپنی جاہلی زندگی کی پستیوں میں لانے کی کوشش نہ کرو اس کے لیے تمھیں ایک جہانِ نو کی تلاش کرنی ہے جہاں تم اس کے حسن دل افروز سے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی راحت حاصل کرسکو گے جہاں تمھیں دائمی و ابدی سکون و راحت کی دولت میسر آئے گی، اس کے بعد تم اپنے دل کی ان تمام کلفتوں کو بھول جاؤ گے

پندرہ سال کا بچہ ــــــ اور یہ ذہنی کشمکش ــــ لیکن اس کی روح سعید و صالح تھی اس کی پرواز بلند سے بلند تر ہوتی گئی اس کے قدم عشق کی منزل پر اٹھتے رہے وہ آگے بڑھتا رہا اور رات کے اندھیرے میں آبادی سے دور نکل گیا۔ اس کے قلب کے حرم میں محبت اسلام کی شمع فروزاں تھی اور اس کی روشنی منزلِ جاناں کی طرف رہنمائی کررہی تھی۔ ایک بار پھر اس نے پیچھے مڑکر آبادی کی طرف دیکھا۔ رات کے اندھیرے میں مکانات کا دھندلا عکس نظر آیا تھا دل سے آواز آئی۔ مجھے یہ آبادی اس کی گلیاں، اس کے مکانات، اس کے در و دیوار، اس کے کھیت، اس کے باغات، اس کے سایہ دار درخت بہت عزیز ہیں۔ لیکن اس آبادی میں اسلامی طور طریقے کے مطابق آزادی سے زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔ میں اپنی اسلامی زندگی کے طور طریقوں اور اسلامی تعلیمات کی صداقت کے اعتراف کے ساتھ اس آبادی کے لیے گوارا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے میں نے اس سے ہجرت گوارا کی ہے۔ اور پھر قدم اٹھنے لگے اور وہ دھندلا عکس بھی نظروں سے چھپ گیا۔

سفرِ عشق کی پہلی منزل:

ضلع مظفر گڑھ کا قصبہ کوٹلہ رحم شاہ سفرِ عشق کی پہلی منزل تھی۔ یہیں ۲۷ اگست ۱۸۸۰ء کو سنتِ تطہیر ادا ہوئی چند روز بعد معلوم ہوا کہ اعزہ تلاش و تعاقب میں ہیں تو اس قصبے کو خیرباد کہا اور سندھ کی طرف روانہ ہوگئے، عربی مدرسہ کا ایک طالب علم جو اس سفر میں رفیق اور رہنما تھا اس سے راستے میں ہی عربی صرف کی کتابیں پڑھنی شروع کردیں۔

حضرت سید العارفین:

سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب علیہ الرحمہ بھرچونڈی والے کی بزرگی اور فضل و کمال کی شہرت

حدود صوبۂ سندھ سے گذر کر پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے دیار و امصار تک پہنچ چکی تھی جضرت مولانا عبیداللہ سندھی علیہ الرحمۃ کے بخت کی فیروزمندی نے انھیں حضرت سید العارفین کی خدمت بابرکت میں پہنچایا۔ حضرت سید العارفین کی ذات گرامی مرجع خلائق بنی ہوئی تھی۔ وہ ایک چشمۂ فیض تھا جس سے تشنہ کامان علوم و معارفِ اسلامیہ سیراب ہو رہے تھے۔ آپ کی ذات مجموعۂ صفات تھی۔ آپ کی بزرگی کے اعتراف میں بلا امتیاز مذہب و ملت تمام اہلِ سندھ متفق اللسان تھے۔ آپ کو اس عہد کا جنید بغدادی، بایزید بسطامی اور شبلی دوراں سمجھا جاتا تھا۔ مولانا سندھی نے حضرت کی صحبت سے بہت فیض اٹھایا۔ یہ آپ ہی کا فیضان تھا کہ چند روز میں مولانا سندھی مرحوم نے اخلاق و سیرت اسلامی کی وہ تمام خوبیاں پالیں جو عام طور پر برسہا برس کی تعلیم و تربیت کے بعد حاصل ہوتی ہیں۔ اور بعض اوقات تو برسوں کی محنت اور کوشش کے بعد بھی سیرت و اخلاق میں خوبیوں کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ خود مولانا سندھی مرحوم نے اعتراف کیا ہے کہ

"آپ کی صحبت کا چند ماہ کے اندر یہ اثر ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیے طبیعت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔"

آپ کی زبان سے جو بات نکلتی تھی دل پر اثر کرتی تھی ایک مرتبہ آپ نے اپنے مریدین و مسترشدین کو مخاطب کر کے فرمایا:

"عبیداللہ نے اللہ کے لیے اپنے گھر اور ماں باپ کو چھوڑا ہے اور ہم کو اپنا ماں باپ بنایا ہے"۔

آپ کی زبان سے یہ کلمہ کیا نکلا کہ مولانا سندھی ان کے تمام مریدین و مسترشدین کی شفقتوں، محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز بن گئے لوگوں نے ان کے لیے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیے، آنکھوں میں جگہ دی۔ ان کے سر پر قدر و منزلت کا تاج رکھا۔ آپ کے فیضانِ نطق و کلام کا اثر وقتی نہ تھا۔ دائمی اور ابدی تھا۔ آپ کی ولایت کے لیے صرف ایک یہ کرامت کفایت کرتی ہے کہ وہ مسافر فی سبیل اللہ جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی آخری سرزمین سندھ ہوگی۔ وہ ہمیشہ کے لیے سندھ کا ہو کر رہ گیا ہے کہ آج سندھ کی تہذیبی و ثقافتی اور علمی تاریخ اس مسافر و مہاجر الی اللہ کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ حضرت سید العارفین کے فیضانِ نطق و کلام کا اثر از خود حضرت سندھی مرحوم نے بھی اپنے دل میں محسوس کیا فرماتے ہیں:

"اس کلمۂ مبارکہ کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے۔ میں انھیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اور محض اس لیے سندھ کو اپنا مستقل وطن بنایا"۔

ایک سبق:

مولانا سندھی مرحوم کی زندگی کے اس پہلو میں ہمارے لیے بڑی بصیرت اور سبق ہے ان کے لیے اس سر زمین میں کیا تھا جو ملک کے کسی دوسرے خطے میں میسر نہ آ سکتا تھا۔ جب انھوں نے اپنا آبائی گھر چھوڑ دیا تو انھیں کسی جگہ کے مسکن سے کیا الفت ہو سکتی تھی۔ وہ ملک کے جس حصے میں نکل جاتے اور جس قریہ و مصر میں ایک سائبان بنا کر بیٹھ جاتے وہی ان کا وطن بن جاتا۔ وہ اپنے علم و فضل کی پونجی لے کر جدھر بھی نکلتے عقیدت کیشوں اور نیاز مندوں کا ایک ہجوم ان کے استقبال و پذیرائی کے لیے موجود ہوتا۔ وہ اپنی فکر و نظر کی دکان جہاں بھی لگاتے فکر و نظر کے طالب پروانوں کی طرح اس شمع پر اپنی جان نچھاور کرتے۔ لیکن اس وفا سرشت نے جب ایک مرتبہ اپنا ہاتھ ایک مربی کے ہاتھ میں دے دیا تو پھر چھڑانا گوارا نہ کیا۔ جس کے سایۂ عاطفت میں انھوں نے زندگی کے چند ماہ گزارے تھے۔ اس کی چوکھٹ سے ترک تعلق کا خیال بھی زندگی بھر ان کے دل میں نہ آیا جس محسن نے ان کی عزت و مسافرت کے ایام میں ان کے لیے ایک جائے سکون مہیا کی تھی اور اپنی مربیانہ شفقتوں اور محبتوں سے نوازا تھا ان کی احسان مند طبیعت نے اس محسن کی ذات سے، اس کی اولاد سے، اس کے خلفا سے، اس کے مریدین و مسترشدین سے بلکہ اس کے سنگِ آستان سے، اس کے قریہ و شہر سے اور اس کے صوبے سے محبت و تعلق کو اپنا وظیفۂ حیات سمجھ لیا تھا زندگی بھر اس خانوادے سے نسبت اور اپنے سندھی ہونے پر فخر کرتے رہے۔ پھر یہ فخر محض زبانی نہ تھا اپنے عمل اور دینی زندگی کے طور طریقوں سے اس کا ثبوت دیا۔ انھوں نے سندھی معاشرت کو اپنایا، مقامی زندگی کے طور طریقوں کو اپنایا۔ یہاں کی وضع و لباس سے محبت کی، سندھی زبان کو بہ شوق و ذوق سیکھا اور اس وقت جب کہ وہ تعلیم سے فراغت پا چکے تھے، وہ ملک کے کسی حصے میں نکل جاتے اور اسے اپنا وطن بنا لیتے تو آج سندھ میں کوئی شخص ان کو بے وفائی کا طعنہ نہیں دے سکتا تھا لیکن وہ وفا سرشت تعلیم ختم کرتے ہی سندھ کی طرف لوٹا اور اسی آستانۂ قدسی پر اپنی عقیدتوں کا نذرانہ پیش کیا۔ اگرچہ ان کا میدانِ عمل ہندوستان کے مشرقی اضلاع سے لے کر وسطِ ہند، ممالکِ متحدہ اور شمال مغربی سرحدی صوبے تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن سرزمینِ ہند کے اس خطے کو اور وادئ مہران اور اس کے باسیوں کو اپنی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کا خاص موضوع بنایا۔ سندھ ان کا سب سے بڑا میدانِ عمل رہا ہے انھوں نے سندھ کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا۔ یہاں انھوں نے تحریک آزادی کو پروان چڑھایا۔ کاروانِ حریت کو منظم کیا اور جادۂ استقلال پر روانہ کیا۔ وہ پورے ہندوستان میں سندھ کے اسلامی مزاج، سندھ کی تہذیب اور

سندھ کی معاشرت کے ترجمان اور نمائندہ تھے انھوں نے سندھ میں علوم اور معارفِ اسلامیہ سے لگن اور دلچسپی پیدا کی، سندھ میں تعلیم کو فروغ دیا اور جہالت دور کرنے کی تحریک میں حصہ لیا۔ انھوں نے سندھی زبان کو اپنے انقلابی افکار اور اسلامی تحقیقات سے مالامال کردیا۔ انھوں نے سندھی زبان میں اسلامی علوم میں تحقیق و مطالعے کے مراکز قائم کیے اور سندھ کو اپنی سیاسی تحریک اور اپنے افکار و تجربات سیاسی کا مرکز قرار دیا اور آخر تک ان کی خواہش تھی کہ سندھ کو ان کے افکار سیاسی کی تجربہ گاہ بنایا جائے۔ سندھ ان کا وطن مادری نہ تھا بلکہ بنایا ہوا وطن تھا لیکن جب انھوں نے ایک مرتبہ اسے اپنا وطن زبان سے کہہ دیا اور ذہن نے اسے قبول کرلیا تو پھر اس بات کو کبھی فراموش نہ کیا بلکہ سندھ ان کا وطن ہے اور اس کے ان پر حقوق ہیں۔ وہ تقریباً چوبیس سال ملک سے باہر رہے اور جلاوطنی کی زندگی گزاری لیکن وہ جہاں بھی رہے سندھ سے ان کا رشتہ ہمیشہ برقرار رہا۔ سندھ سے ان کا تعلق ایسا ہی تھا جیساکہ اسلام سے تھا۔ انھیں ان دونوں نسبتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آیا۔

عزم دیوبند:

بھرچونڈی شریف اس سفر میں راستے کی ایک منزل تھی۔ اس موقع پر تین چار ماہ قیام رہا۔ اس مختصر مدت میں حضرت سیدالعارفین نے ان پر جو رنگ چڑھایا اس کی چمک اور رنگینی تمام عمر ان کی زندگی میں باقی رہی اور حضرت کے چڑھائے ہوئے رنگ کے سوا اور کوئی اور رنگ ان کی طبیعت نے کبھی اور کہیں قبول نہیں کیا۔

بہرحال یہ راہِ عشق کی ایک منزل تھی اور ابھی عشق کے امتحان باقی تھے۔ اگرچہ سایہ گھنا تھا، درخت پھل دار تھا لیکن عشق کا تقاضا تھا کہ کمر کھولنے سے پہلے اٹھیے اور آگے بڑھیے۔ پس مولانا سندھی نے یہاں دم لیا، سستائے آگے کے سفر کے لیے رہنمائی حاصل کی اور نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت سیدالعارفین حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ نے دعا فرمائی "خدا کرے عبیداللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے"۔

مولانا فرماتے ہیں:

"میرے خیال میں خدا نے یہ دعا قبول فرمائی اور اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل سے مجھے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی خدمت میں پہنچا دیا"۔

بھرچونڈی شریف سے نکل کر مولانا سندھی نے ایک مدت تک ریاست بہاول پور کی مختلف دیہاتی مساجد کے مدارس میں عربی کی ابتدائی کتابوں کی تحصیل کی۔ اسی نقل و حرکت میں مولانا دین پور پہنچے جہاں حضرت سیدالعارفین کے خلیفہ مولانا ابوالسراج غلام محمد قیام فرماتے۔ یہیں انھوں نے مولوی عبدالقادر مرحوم سے ہدایۃ النحو پڑھی جن

۱۸۸۸ء میں کوٹلہ رحم شاہ چلے گئے۔ یہاں مولوی خدا بخش سے کافیہ پڑھا اور چند ماہ کے بعد دیو بند روانہ ہوگئے۔

اکتوبر ۱۸۸۸ء میں دارالعلوم دیو بند میں داخل ہو گئے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن علیہ الرحمہ رونق افروز مسند حدیث تھے۔ ابتدائی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ کچھ دنوں کے لیے کان پور چلے گئے جہاں مولانا احمد حسن کانپوری کے مدرسے میں زیر تعلیم رہے۔ چند ماہ مدرسہ عالیہ رام پور میں مولوی ناظر الدین سے بعض کتابیں پڑھیں ستمبر ۱۸۸۹ء میں مراجعت فرمائے دیو بند ہوئے۔ ابتداء میں چند ماہ مولانا حافظ احمد سے پڑھتے رہے پھر حضرت شیخ الہند کے درس حدیث میں شریک ہو گئے۔ امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس اوّل نے مولانا کے جوابات کی بہت تعریف کی اور فرمایا:

"اگر اس کو کتابیں ملیں تو شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا"۔

اسی موقع پر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اسی زمانے میں مولانا سندھی نے اصول فقہ میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا اس میں بعض مسائل میں انھوں نے جمہور اہل علم کے برخلاف علمائے محققین کی رائے کو ترجیح دی تھی۔ اس سلسلے میں ایک بحث آیاتِ متشابہات کے متعلق تھی۔ مولانا سندھی کے خیال میں آیات متشابہات کی تاویل ناممکن الحصول نہیں اور راسخین فی العلم ان کی تاویل سے واقف ہوتے ہیں۔

گنگوہ اور دہلی کا سفر:

اس سے اگلے سال یعنی مئی، جون ۱۸۹۰ء سے تفسیر بیضاوی اور دورۂ حدیث میں شریک ہوئے۔ جامع ترمذی حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھی اور سنن ابو داؤد کے لیے کچھ مدت کے لیے گنگوہ تشریف لے گئے اور مولانا رشید احمد سے سنن ابو داؤد پڑھی۔ گنگوہ سے دہلی تشریف لے گئے اور مولوی عبدالکریم پنجابی دیو بندی سے جو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم دیو بندی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ کے ایک غیر معروف محقق شاگرد تھے۔ حدیث کی باقی کتابیں مثلاً نسائی، سنن ابن ماجہ وغیرہ اور سراجی پڑھی۔ اسی اثنا میں صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے دو سبق شیخ الکل مولانا میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے بھی پڑھے۔ ۱۸۹۰ء کے آخر تک وہ درس نظامیہ کی تکمیل کر چکے تھے۔

مراجعت بھرچونڈی:

جنوری ۱۸۹۱ء میں مولانا سندھی مرحوم بھرچونڈی شریف (ضلع سکھر) واپس تشریف لے آئے۔ حضرت سید العارفین مولانا کے پہنچنے سے ٹھیک دس روز پہلے اس جہانِ فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔ فرزدلی میں حضرت شیخ الہندؒ نے اجازت نامہ تحریر فرما کر بھیج دیا۔

حضرت تاج محمود کی سرپرستی:

کچھ دنوں کے بعد مولانا بھرچونڈی سے امروٹ چلے گئے۔ امروٹ بھی ضلع سکھر کا دوسرا مشہور قصبہ ہے۔ یہاں حضرت سید العارفین کے دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج محمود صاحب رونق افروز سجادہ اور صاحب دستارِ خلافت اور مجاز بیعت و ارشاد تھے حضرت سید العارفین کے انتقال کے بعد اب وہی مولانا کے لیے بمنزلہ باپ کے تھے۔ مولاناؒ نے نہایت سعادت مندی کے ساتھ ان کے حضور اپنا سرِ نیاز جھکا دیا اور حضرت تاج محمود علیہ الرحمہ نے بھی اپنا حق ادا کر دیا اور مولانا کو کبھی احساس نہ ہونے دیا کہ وہ ایک بے یار و مددگار نو مسلم نوجوان ہیں۔

مولانا کی شادی:

حضرت مولانا تاج محمود نے سکھر کے اسلامیہ اسکول کے ایک استاد مولوی محمد عظیم خان یوسف زئی کی صاحبزادی سے مولانا کی شادی کرائی۔ ان کے رہنے کو مکان، آرام و آسایش کے لیے گھر گرہستی کی تمام چیزیں اور سب سے بڑھ کر ان کے ذوقِ مطالعہ کی تسکین اور تصنیف و تالیف کے لیے ایک بہت بڑا کتب خانہ مہیا کر دیا جہاں مولانا ۱۸۹۷ - ۹۸ تک نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ درس و مطالعہ میں مصروف رہے۔

یہاں مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی زندگی کا پہلا دور مکمل ہو جاتا ہے۔

اعلان خصوصی نمبر

قارئین الولی کو یہ معلوم ہو کر خوشی ہوگی کہ الولی کا آئندہ شمارہ "سردار محمد امین خان کھوسو عبیداللہی کی شخصیت، سیرت اور ان کی سیاسی خدمات کے تذکرے میں مضامین نثر و نظم پر مشتمل ہوگا۔ اس میں ان کے بعض نادر خطوط اور نادر تحریر بھی شامل ہوگی۔ اس نمبر کے لکھنے والوں میں، مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی، مولانا اللہ ڈیہ بروہی، جناب علی نواز دفائی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری وغیرہم شامل ہیں۔ اس خصوصی نمبر کی ترتیب و تدوین میں ہمارے ساتھ "مولانا عبیداللہ سندھی اکیڈمی کراچی" نے تعاون کیا ہے۔

(ادارہ)

معارفِ عبید اللّٰہی

(۴)

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی سے متعلق تعارفی کتابیات اور تفسیری افادات وامالی پر مشتمل کتب ورسائل کے تعارف میں "معارفِ عبیداللّٰہی" کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضامین الولی کے شمارہ بابت جولائی اگست وستمبر اکتوبر ۱۹۸۸ء اور جنوری فروری ۱۹۸۹ء میں نکل چکا ہے۔ اس مدت میں چند کتابیں اور آئی ہیں۔ ان کا تعارف ذیل میں درج کیا جاتا ہے (ا۔س۔ش)

تفسیر المقام المحمود: از مولانا عبیداللہ سندھی

جامع: مولانا عبداللہ لغاری۔　　　مدوّن: ڈاکٹر منیر احمد مغل

صفحات: ۲۴+۳۲۴، اشاعت اول ۱۹۸۶ء　　　مطبع بلا مع ناشر: مکتبہ رشیدیہ لاہور

سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی تفسیر پر مشتمل وہ مقالہ ہے جس کی تدوین پر منیر احمد مغل کو سندھ یونیورسٹی (حیدرآباد) سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا ہوئی ہے۔

فاضل محقق نے اسے انگریزی اور اردو میں بیک وقت مرتب کیا ہے۔ تدوین میں محقق کے سامنے مولانا عبداللہ لغاری کی جمع کردہ تفسیر رہی ہے۔

مولانا سندھی مرحوم کی تفسیر کے خصائص وہی ہیں جو مختلف تفسیری کتابچوں اور الہام الرحمٰن کے ضمن میں لکھ چکا ہوں۔ لیکن متن کی صحت، حواشی کے التزام وغیرہ کا جو اہتمام ڈاکٹر منیر احمد مغل نے کیا ہے، وہ کسی اور تفسیر میں نہیں۔ مولانا سندھی مرحوم کی پوری تفسیر اگر صحت کے اسی اہتمام حواشی کے التزام اور علامہ مولانا جار اللہ مرحوم کے امالی اور دوسرے تفسیری کتابچوں کے تقابلی مطالعے کے ساتھ مدوّن کر دی جائے

تو یہ بہت بڑا علمی کارنامہ ہوگا۔ یہ وقت کی ضرورت بھی ہے۔

تفسیر کے شروع میں مندرجہ ذیل تحریریں شامل ہیں:

گذارش احوال واقعی (محمد الرشید ارشد)، تقدیم (مولانا سعید احمد اکبر آبادی)، (چند اقتباسات از تحریر مولانا سعید الرحمٰن علوی)، تشکر (منیر احمد مغل)، مقدمہ (مولانا عبید اللہ سندھی، ان کے حالات زندگی اور تبحر علمی) از منیر احمد مغل، تفسیر کی اہمیت (ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوتہ) اور تفسیر کے جامع مولانا عبداللہ لغاری کے حالات (منیر احمد مغل)

الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن : از مولانا عبید اللہ سندھی

۱. جلد اول، سورۂ فاتحہ تا سورۂ مائدہ

جامع (عربی)، مولانا علامہ موسیٰ جار اللہ، مترجم (اردو) مولانا عبدالرزاق و مولانا محمد قاسم

صفحات: ۲۲+ ۴۶+ ۴۷۲+ ۴۴، اشاعت اول: ۱۹۷۷ء، مطبع: مسعود پرنٹرز، لاہور

ناشر: ادارہ بیت الحکمت للامام ولی اللہ الدہلوی، کبیر والا (ضلع ملتان)

علامہ موسیٰ جار اللہ کے مقدمہ و سورۂ فاتحہ کا ترجمہ محمد قاسم نے اور سورۂ بقرہ تا مائدہ کا ترجمہ مولانا عبدالرزاق نے کیا ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی تفسیر کی خصوصیات معلوم و مشہور ہیں اور تفسیری مجموعوں اور کتابوں کے ضمن میں ان کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ تفسیر کے ساتھ مندرجہ ذیل تحریریں بھی شامل ہیں۔ ان میں مولانا سندھی مرحوم کے فکری اور ان کی تفسیر کے خصائص پر سیر حاصل بحث آ گئی ہے۔

عرض ناشر (از مولانا ابو معاویہ عبید اللہی)، پیش لفظ و مقدمہ (از علامہ موسیٰ جار اللہ)

۲. جلد دوم، سورہ انعام تا سورہ توبہ

جامع (عربی) مولانا علامہ موسیٰ جار اللہ، ترجمہ (اردو) مولانا محمد قاسم

صفحات؛ اشاعت اول: ، مطبع ،

ناشر: ادارہ بیت الحکمت للامام ولی اللہ الدہلوی، کبیر والا، (ضلع ملتان)

القاء الرحمٰن فی تفسیر الہام الرحمٰن از مولانا عبید اللہ سندھی۔

جامع: علامہ موسیٰ جار اللہ، مترجم: (اردو) مولانا ابو العلاء محمد اسمٰعیل گودھروی۔

سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی اصل عربی مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب الہام الرحمٰن کے نام سے ترتیب کرکے بیت الحکمت کراچی سے شائع چکے ہیں۔ یہ تفسیر اس کا اردو ترجمہ ہے جو جنوری ۱۹۸۶ء سے ماہنامہ الولی (حیدرآباد، سندھ) میں مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اس وقت ستمبر ۱۹۹۱ء کا شمارہ پیش نظر ہے۔ سورۂ بقرہ کی ۲۱۰ آیتوں کی تفسیر چھپ چکی ہے۔

مترجم اردو مولانا ابوالعلا محمد اسمٰعیل گودھروی خاندان ولی اللّٰہی کے علوم و معارف سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں، "ولی اللہ" کے عنوان سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سوانح حیات میں ایک کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے، شاہ صاحب کی مشہور تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" کا اردو ترجمہ شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے مولانا عبیداللہ سندھی سے ۱۹۳۶ء میں مکہ مکرمہ میں ملاقات کی تھی۔ وہ مولانا سندھی کے علم و فضل سے بہت متاثر اور ان کے معتقد ہیں۔ الہام الرحمٰن کا یہ اردو ترجمہ ان کے تاثر اور عقیدت کا بین ثبوت ہے۔

(۱) مولانا عبیداللہ سندھی کا افتتاحی خطبہ

صفحات: ۲۴، اشاعت (اول): جنوری ۱۹۴۰ء ہندی، مطبع: بلوچ لیتھو پریس، کراچی

ناشر: جنا زیدا سندھ ساگر پارٹی، کراچی۔

مولانا سندھی مرحوم کا یہ وہ خطبہ ہے جو مولانا نے ضلع کانگریس کمیٹی کی ٹھٹھہ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں ۱۳ر جنوری ۱۹۴۰ء کو پڑھا تھا۔ اس خطبے میں سب سے پہلے مولانا نے کانفرنس کا انتظام کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور اس سلسلے میں اپنی خوشی کے تین اسباب بیان فرمائے۔

۱۔ مجھے سندھ سے محبت ہے۔ یہ میرے دینی باپ کا وطن ہے۔ میں نے اسے پچاس سال سے اپنا وطن بنالیا ہے۔ اس زمین کو سیراب کرنے والے دریا کی ہماری مذہبی کتابوں میں تعدلیس کی گئی ہے میں نے اس کے کنارے پر بچپن سے پرورش پائی ہے۔

۲۔ مجھے اس شہر (ٹھٹہ) سے محبت ہے۔ اس میں مقدس علماء و عارفین کا بڑا مجمع رہا ہے۔ آخری زمانے میں مخدوم محمد معین کا گھر اس شہر میں تھا وہ شاہ عبداللطیف کے ہم صحبت بزرگ تھے اور انھوں نے ہمارے امام ولی اللہ دہلوی سے استفادہ کیا تھا۔ اس طرح یہ شہر ہماری حکمت کا ابتداء سے معدن ہے۔

۳۔ مجھے نیشنل کانگریس سے نسبت ہے چوں کہ دنیا کی نظر میں وہ ہمارے ملک کی معزز سیاسی مجلس ہے

میں سولہ سترہ برس کانگریس میں کام کرتا رہا ہوں۔ اس کا ناظم ہونے کے نام سے مجھے بہت فائدے پہنچے ہیں۔ میں اس سیاست کا مطالعہ کرسکا، جس کے بعد مجھے امام ولی اللہ کی حکمت اور قرآن مجید سمجھنے میں آسانی ہوئی. خوشی کے ان اسباب کے تذکرے کے بعد مولانا نے اس خطبے میں اپنی زندگی کے سیاسی تجربات اور مطالعے کو بیان کیا ہے اور اس مطالعے کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

- **پہلا حصہ:** مولانا کے اسلام قبول فرمانے سے لے کر ہندوستان چھوڑنے (۱۹۱۵ء) تک کے مطالعے اور تجربے کے تذکار پر مشتمل ہے۔ مولانا نے اس میں اپنے اسلام لانے کے پس منظر سے لے کر حضرت شیخ الہند کی زیرِ نگرانی سیاسی کاموں کے آغاز اور سفرِ کابل کے حکم اور اس کی مصلحت پر روشنی ڈالی ہے۔ (صفحہ ۴ تا ۸)

- **دوسرا حصہ:** مولانا سندھی کے سفرِ کابل کے تذکرے سے شروع ہوتا ہے اور افغانستان کے قیام، روس کے سفر، ماسکو میں کمیونسٹ پارٹی کے صفِ اوّل کے لیڈروں سے ملاقاتوں، ترکی کے سفر و قیام مکہ معظّمہ کے قیام و مشاغل کے تذکرے اور تجربات کے بیان پر اس وقت ختم ہوتا ہے جب مولانا مارچ ۱۹۳۹ء میں وطن واپس تشریف لائے مولانا کی زندگی کا یہ بہت اہم حصہ ہے اور شاید سیاسی زندگی کے طویل ترین دور تقریباً چوبیس برس پر محیط ہے (صفحہ ۸ تا ۱۲)

- **تیسرا حصہ:** مولانا کے وطن واپس آنے (مارچ ۱۹۳۹ء) سے شروع ہوتا ہے مولانا سندھی نے ۱۹۱۵ء میں ملکی سیاسیات کو جس مقام پر چھوڑا تھا اب حالات بالکل مختلف تھے اور قدیم سیاسیات کی جگہ بالکل نئی سیاسیات پیدا ہو چکی تھیں۔ اگرچہ مارچ ۱۹۳۹ء سے جنوری ۱۹۴۰ء تک بہت مختصر زمانہ ہے نہ صرف ایک نیا ہندوستان جنم لے چکا تھا بلکہ حالات میں بہت تیزی کے ساتھ ہر روز نئی تبدیلیاں واقع ہو رہی تھیں۔ لیکن اس دور میں مولانا کے پاس ایک طویل سیاسی اور معرکہ آرا زندگی کے تجربات تھے، اور مطالعے و مشاہدے کا نہایت قیمتی سرمایہ تھا اور طویل سیاسی زندگی کے تجربات اور مطالعات و مشاہدات نے مولانا کے افکار کا ایک نیا اور سائنٹی فک سانچا تیار کر دیا تھا۔ مولانا چاہتے تھے کہ ملک کے سیاسی کارکنوں اور نوجوانوں کو اپنے تجربات، مشاہدات اور مطالعات سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کا موقع دیں۔

مولانا مرحوم کے پیشِ نظر خطبے کا یہ حصہ بہت اہم اور نہایت فکر انگیز ہے اس میں انھوں نے اپنے سیاسی فکر کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ اس خطبہ کو دیے ہوئے نصف صدی گزر چکی ہے لیکن اس کے افکار کی تازگی

آج بھی محسوس کی جاتی ہے

ہمارے لیے اس خطبے میں بہت سے درس اور بصیرتیں ہیں اور موجودہ دور کی تاریکی میں ہم مولانا سندھی کے فکر کی شمع لے کر اپنی راہ تلاش کر سکتے ہیں۔

(۲) مولانا عبیداللہ سندھی کے سیاسی مکتوبات:
(ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی کے نام)

مرتب: پروفیسر محمد اسلم، صفحات: ۹۱، اشاعت اول: مطبع: مطبع عالیہ لاہور،
ناشر: ندوۃ المصنفین، سمن آباد لاہور۔

محمد اقبال سیالکوٹ کے رہنے والے انجمن خدام کعبہ کے رکن (شیدائی کعبہ) تھے ہجرت کر کے کابل گئے تو مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم سے ان کی ملاقات ہوئی پھر ہمیشہ کے لیے مولانا سندھی سے رشتہ عقیدت و اخلاص قائم کر لیا اور مولانا سندھی کی تحریک سیاسی سے متفق ہو گئے۔ مولانا سندھی مرحوم نے ۱۹۲۲ء میں کابل سے ماسکو کا سفر کیا تو یہ مولانا کے ہمراہ تھے۔ بعد میں ترکی گئے اور پھر وہاں سے اٹلی چلے گئے ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اٹلی میں گزرا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ کئی بار پاکستان آئے۔ ۱۹۶۵ء میں وہ مستقل طور پر پاکستان آگئے تھے۔ لاہور میں قیام تھا وہیں ۱۳ جنوری ۱۹۷۴ء کو انتقال ہوا۔

مولانا سندھی سے ان کے تعلقات کی یادگار یہ اڑتیس خطوط کا مجموعہ ہے جو پروفیسر محمد اسلم (صدر شعبہ تاریخ، پنجاب یونی ورسٹی لاہور) نے مرتب کر کے چھاپ دیا۔ اس مجموعے کا پہلا خط ۱۰ مارچ ۱۹۲۳ء کا ہے جو مولانا نے ماسکو سے لکھا تھا۔ اور آخری خط ۱۹۳۶ء کا ہے جو انھوں نے مکہ مکرمہ سے لکھا تھا ۱۹۳۹ء کے شروع میں مولانا لوٹ آئے تھے اس کے بعد کا کوئی خط یادگار نہیں ہے۔

مولانا سندھی کے یہ خطوط ماسکو، ترکی وغیرہ میں ہندوستان کی آزادی کی انقلابی تحریک، ہما بڑا انقلابی نوجوانوں کے حالات، مولانا سندھی کے سیاسی افکار، مشاہدات، تاثرات اور بہت سے نہایت اہم سیاسی واقعات سے لبریز ہیں۔

(۳) آپ بیتی: از ظفر حسن ایبک

حصہ اول، صفحات: ۲۶۷، اشاعت اول، ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۵ء)، مطبع: الشرف پریس لاہور
ناشر: منصور بک ہاؤس لاہور

حصہ دوم، صفحات: ۱۷۱، اشاعت اول: ۱۹۶۵ء مطبع: منصور ایجوکیشنل پریس، لاہور،
ناشر: منصور بک ہاؤس، لاہور۔

حصہ سوم، صفحات: ۲۲۳، اشاعت اول: ۱۹۷۳ء، مطبع: شاہین پرنٹنگ پریس، سرگودھا،
ناشر: بنو صادق کتاب گھر، سرگودھا،

یہ کتاب مولانا عبیداللہ سندھی پر نہیں ہے لیکن کابل، ماسکو اور ترکی میں مولانا سندھی کی مصروفیات اور کارگزاریوں کے بارے میں یہ ایک مستند دستاویز ہے۔ ظفر حسن کا تعلق ۱۹۱۵ء میں لاہور سے افغانستان کو ہجرت کرنے والے طلبہ کی جماعت سے تھا کابل میں مولانا سندھی کے شریک کار بن گئے اور کابل، ماسکو اور ترکی میں نہایت وفاداری سے مولانا کا ساتھ دیا۔ ظفر حسن نے ترکی شہریت اختیار کر لی تھی اور فوج میں ملازم ہو گئے تھے۔ کابل، ماسکو اور ترکی میں اپنی مصروفیات اور کارگزاریوں کے بارے میں مولانا نے خود جو کچھ لکھا ہے، اس کے بعد ظفر حسن کی یہ آپ بیتی اس موضوع پر مستند ترین ماخذ ہے

طبقات: از شاہ اسمٰعیل شہید

اردو ترجمہ: مولانا عبیداللہ سندھی، کاتب: شیخ ابوسعید ابن عبدالرحمٰن عبدالمجید
سال کتابت املا: جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۳۵ء، سال نقل: دسمبر ۱۹۲۷ء
صفحات: ۱۵۱، (فل سکیپ سائز)

طبقات کا ترجمہ مولانا عبیداللہ سندھی نے قیام حجاز کے زمانہ میں مکہ معظمہ میں املا کروایا تھا اس کے شیخ ابوسعید نے دسمبر ۱۹۴۶ء میں ایک نقل تیار کی یہ نقل علامہ محمد صدیق ولی اللّٰہی بھاول پوری کے پاس تھی۔ ان کی عنایت سے اس کا ایک فوٹو اسٹیٹ خاکسار کو حاصل ہو گیا۔

فن معرفت کے مبادی و مقدمات کی تعلیم و تشریح میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی یہ لاجواب تصنیف ہے۔ اس کے مقصد تصنیف کے بارے میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "اس کتاب کے لکھنے سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ معرفت کے تمام مباحث پورے لکھ دیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ مبتدی طالب علموں کے لیے ریاضت کا سامان بہم پہنچائیں فن معارف کے مبادی کو وہ سمجھ لیں تاکہ اس فن کی کتابوں میں وہ آسانی سے خوض کر سکیں گے گویا یہ رسالہ ایک قسم کا برزخ ہے"۔ اس ترجمہ کا کچھ حصہ ماہنامہ الولی حیدرآباد کے ۱۹۷۴ء ۱۹۷۵ء کے شماروں میں چھپ چکا ہے

بہ سلسلۂ معارف عبید اللّٰہی

مولانا عبید اللہ سندھی کا ایک فکر انگیز تاریخی منصوبہ

علماء و مدبرین کے لیے ایک لمحۂ فکریہ

نیشنل کانگریس میں تحریک آزادی ہند کا دوسرا دور:

از مولانا عبید اللہ سندھی

صفحات: ۴۷ (سے زیادہ[1])، اشاعت: ۱۹۲۴ء، مطبع: مطبع محمود بک، استانبول،

ناشر: کانگریس کمیٹی کابل، مقام اشاعت: ہندوستانی منزل، آق سرائے، استانبول (ترکی)

اس کتابچے کا پورا نام اس طرح ہے،

نیشنل کانگریس میں تحریکِ آزادی ہند کا دوسرا دور

یعنی

کانگریس کمیٹی کابل کا سوراجی نظام

اور

مہا بھارت سورراجیہ پارٹی کا پروگرام

رسالہ تاریخ و سیاست میں یہی پروگرام شائع ہوا ہے اس کا عنوان "مہا بھارت سرور راجیہ پارٹی کا پروگرام" ہے[2]

---

[1] مولانا عبید اللہ سندھی نے اقبال شیدائی کو پروگرام کا ایک نسخہ بھیجا تھا۔ اس کے بعد بعض اعتراضات یا سوالات کے جواب میں مولانا نے جو خط لکھا (جون ۱۹۲۴ء) اس میں بعض وضاحتیں فرمائی تھیں اس خط میں پروگرام کے صفحہ ۴۷ تک کے حوالے آئے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کتابچے کی ضخامت ۴۷ صفحات سے یقیناً زیادہ تھی۔

[2] یہ پروگرام رسالہ تاریخ و سیاست کے باریک ٹائپ میں ۳۲ صفحوں میں آیا ہے۔ شمارہ بابت ماہ فروری ۱۹۵۴ء جلد ۴، شمارہ ۱۔

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم اس عہد کے بہت بڑے انقلابی اور سیاسی مفکر تھے۔ رولٹ سڈیشن کمیٹی کے مطابق وہ منصوبے بنانے اور تجویزیں تیار کرنے میں غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے ان کی زندگی پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات محسوس کر لی جاسکتی ہے کہ واقعی ان میں یہ خوبی بدرجۂ اتم موجود تھی۔

مولانا سندھی کے پیش نظر فرد کی تعلیم و تربیت سے لے کر بین الاقوامی سطح کے سیاسی نظام چلانے تک کا ایک واضح پروگرام تھا۔ زندگی کے مختلف دائروں کے پروگراموں اور ان کے مختلف اجزا کو انھوں نے اپنی تحریروں اور قرآن حکیم کی متعدد سورتوں کی تفسیر کے ضمن میں اور جمعیت الانصار، نظارۃ المعارف القرآنیہ، بیت الحکمت، محمد قاسم ولی اللٰہی تھیولوجیکل کالج، جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی، جمعیت خدام الحکمت، سرور اجیہ پارٹی کے اغراض و مقاصد اور مختلف خطبات و مقالات میں منضبط اور غیر منضبط طور پر بیان کیا ہے۔ آزاد ہندوستان کے مذہبی، سماجی، تہذیبی، لسانی، اقتصادی، معاشی، سیاسی مسائل کے حل مضبوط غیر فرقہ وارانہ اور ملک کی نمائندہ جمہوری حکومت کے قیام، ملک کی ہمہ جہت ترقی اور ایشیائی ممالک کو استعمار کا آلۂ کار بننے سے بچانے کے لیے انھوں نے جو پروگرام مرتب کیا تھا۔ اس کے اجزا نے ترکیبی ایک مفصل اور جامع دستور کی شکل میں باب اور دفعہ وار اس کتابچے میں جمع کر دیے ہیں۔ اس کا مختصر نام، "مہا بھارت سرور اجیہ[1] پارٹی کا پروگرام" ہے۔

مولانا سندھی مرحوم نے یہ پروگرام ترکی میں قیام کے زمانے میں مرتب کیا تھا، چھپوایا تھا اور ڈاک کے ذریعے ہندوستان کے مختلف سیاسی رہنماؤں کو بھیجا تھا لیکن گورنمنٹ کو پتا چل گیا اور اس نے اُسے ضبط کر لیا اور اس طرح شاید ہی کسی رہنما تک اس کا کوئی نسخہ پہنچ سکا ہو۔ مولانا نے انگریزی اور ترکی زبان میں بھی اس کا ترجمہ کروایا تھا۔ انگریزی ترجمہ ظفر حسن ایبک نے اور ترکی ترجمہ احمد مختار بک اور ارخان تحسین بک نے کیا تھا۔

ابھی تک پتا نہیں چل سکا کہ اس رسالے کا مطبوعہ نسخہ پاکستان یا ہندوستان کے کسی کتب خانے یا اہل علم کے پاس ہو۔ ظفر حسن ایبک نے اپنی خود نوشت "آپ بیتی" حصہ دوم میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے مطالب کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ اقبال شیدائی کے نام مولانا سندھی کے خطوط میں اس کا ذکر آیا ہے

---

[1] "سرو" کے معنی ہندی میں "سب کے" ہیں اس لیے "سرور اجیہ پارٹی" کے معنی "سب کا راج" قائم کرنے والی پارٹی کے ہوئے یعنی وہ پارٹی جو سب لوگوں کے رنگ، مذہب، نسل اور مال و دولت کے فرق کے بغیر حکومت قائم کرے گی۔
(ظفر حسن ایبک)

الولی حیدر آباد

اور اس کی بعض دفعات کی مولانا نے وضاحت بھی کی ہے ۔

بعد میں مولانا نے اس پورے پروگرام پر نظر ثانی کرکے اسے بہت ہی معتدل و متوازن اور مدلل کر دیا تھا ۔ مولانا سندھی مرحوم کے قلم سے پروگرام کا نسخہ (غیر مطبوعہ) مولانا عزیز احمد مرحوم کے پاس تھا سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اسے حاصل کرکے انجمن ترقی اردو (پاکستان) کے سماہی تاریخ و سیاست کراچی میں چھپوا دیا تھا ۔

اس پروگرام کے چند خاص پہلو یہ ہیں:

۱. آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اندر سرو راجیہ پارٹی کا قیام — جس کی بنیاد شاہ ولی اللہ دہلوی کے اصولوں پر ہوگی ۔

۲. ہندوستان میں سرو راجیہ حکومت کا قیام

۳. سرو راجیہ حکومت کو چلانے والی اعلا اختیارات کی کونسل کا قیام

۴. ایشیا کو برٹش استعمار کے استحصال سے بچانے کے لیے سرو راجیہ پروگرام کے مطابق "سرو راجیہ ایشیاٹک فیڈریشن" اور ایشیائی ممالک کی امداد کے لیے سرو راجیہ قومی بنکوں کی شاخوں کا قیام اور اگلے اقدام کے طور پر یورپ اور افریقہ میں سرو راجی قومی جماعت کی ایجنسیوں کا قیام ۔

سرو راجیہ بنکوں کی بنیاد کے بارے میں بھی مولانا سندھی نے وضاحت کر دی ہے ان کا کاروبار غیر سودی اور نفع نقصان کی بنیاد پر ہوگا ، قرضے غیر سودی ہوں گے وغیرہ

ہم یہاں مولانا کے اس منصوبے کی صرف چار دفعات نقل کرتے ہیں جو انھوں نے آزاد ہندوستان کی حکومت کے بارے میں مرتب کی ہیں :

حکومتِ متوافق سرو راجیہ جمہوریات ہند

(انڈین فیڈرل سرو راجی ری پبلکن اسٹیٹس)

۳۲. ہر ایک "سرو راجیہ جمہوریہ" اپنی اقتصادی ، تمدنی اور سیاسی آزادی کو ملحوظ رکھتے ہوئے "حکومت متوافق سرو راجیہ جمہوریات ہند" کا آزاد رکن رہے گا ۔

(الف) حکومت متوافق سرو راجیہ جمہوریاتِ ہند کا دار الصدر دہلی ہوگا ۔ اولاً سرو راجیہ ہند میں اس

حکومت کے دو ثانوی مراکز لاہور اور آگرہ بنائے جاتے ہیں۔ تاکہ اسی نمونے پر شمال مشرقی ہند اور دکن میں اس فیڈریشن کے ثانوی مراکز بنانے میں آسانی ہو۔

(ب) سرو راجیہ ہند کی جمہوریات، کشمیر، شمال مغربی پنجاب، شمال مشرقی پنجاب، جنوب مغربی پنجاب، پشتانیہ[1]، بلوچستان اور سندھ جن کی آبادی تین کروڑ ہے، لاہور کے مراکز سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی مشترک زبان ہندوستانی (اردو) ہوگی اور جمہوریات "بھارت"، راجپوتانہ، گجرات، آگرہ کے حلقے میں داخل ہیں ان کی مشترک زبان ہندوستانی (اردو، ہندی) ہوگی۔

(ج) اس فیڈریشن کے مراکز مقامی جمہوریتوں سے علاحدہ رکھے جائیں گے۔ ان کی حکومت کے لیے خاص قانون بنایا جائے گا۔

۴۳۔ اس فیڈریشن میں ہر ایک سرو راجیہ جمہوریہ کو اس کے تناسب آبادی، اقتصادی، تمدنی اور فوجی اہمیت کے لحاظ سے حق نمائندگی دیا جائے گا۔ حکومت متوافق جمہوریات ہند اور سرو راجیہ جمہوریتوں کے باہمی تعلقات معین کرنے کے لیے "مہا بھارت سرو راجیہ کانگریس" ایک خاص قانون بنائے گی۔

۴۴۔ حکومت متوافق "سرو راجیہ جمہوریات ہند" میں مذہب کو حکومت سے جدا کر دیا جائے گا اور اس حکومت کو نہ تو کسی خاص مذہب سے تعلق ہوگا اور نہ اسے اپنے مشتملہ جمہوریتوں کے مذاہب میں دخل (دینے کا حق) ہوگا جو ان شرائط کو پورا کرتی رہیں۔ جن پر ان کو "مہا بھارت سرو راجیہ پارٹی" نے تسلیم کیا ہے۔

۴۵۔ ایک خاص وقت تک ہندوستانی ریاستیں بھی "حکومت متوافق جمہوریات ہند" میں شامل ہو سکتی ہیں اگر ان کے حکمران اپنی حکومت کے اختیارات اپنے ملک کی سرو راجیہ پارٹی کے ہاتھ میں دے دیں اور اپنے لیے فقط اتنے اختیارات پر اکتفا کریں جو اس وقت ایک قانونی حکمراں کو کم از کم درجہ پر حاصل ہیں"۔

مولانا سندھی مرحوم کا یہ نہایت جامع پروگرام تھا جو کئی حصوں میں منقسم، چالیس دفعات اور بے شمار ذیلی شقوں پر مشتمل تھا۔ اس میں ذہنی تربیت کے ابتدائی پروگرام سے لے کر حکومت کی تمام شاخوں اور ان کی کارگزاریوں تک کی تفصیلات موجود ہیں۔ سید ہاشمی فرید آبادی کے الفاظ میں:

---

[1] شمال مغربی سرحدی علاقے یا بے نام صوبے کے لیے وہاں بولی جانے والی زبان "پشتو" یا اس علاقے میں آباد قوم "پشتون" کی رعایت سے مولانا سندھی مرحوم نے اس کا نام "پشتانیہ" یا "پشتونیہ" تجویز کیا تھا۔

"یہ منصوبہ مولانا سندھی کی انقلاب پسندی اور سیاسی فراست کی دستاویز ہے بلکہ ہمارے افکار میں ارتقا کی اب تاریخی شہادت بن گیا ہے"۔

مولانا سندھی کے اس پروگرام کی خاص بات یہ ہے کہ وہ ہندوستان کو ایک ملک نہیں بلکہ کئی ملکوں کا مجموعہ اور کئی مذہبوں کا وطن مانتے ہیں۔ وہ اسے شمال مغربی، شمال مشرقی اور جنوبی تین منطقوں میں تقسیم کرتے ہیں اور تینوں منطقے کئی کئی ملکوں، یا "سرواجیہ جمہوریتوں" پر مشتمل ہیں۔ وہ ہر مستقل سرواجیہ جمہوریت کو اپنا دستور بنانے اور اپنے جمہوریہ کا مذہب متعین کرنے کا حق دیتے ہیں لیکن فیڈرل سرواجیہ ری پبلکن اسٹیٹس (سرواجیہ جمہوریت ہند) کے بارے میں انھوں نے صراحت کردی ہے کہ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوگا بلکہ کسی سرواجیہ جمہوریہ کے مذہب میں وہ دخل بھی نہ دے سکے گی۔ اس اصول کے تحت مسلم اکثریت کی جمہوریتوں میں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے مطابق دستور بنانے اور اسلامی اصول کے مطابق نظام حکومت چلانے کی کامل آزادی حاصل ہوتی۔

مولانا عبیداللہ سندھی ملک کی موجودہ صوبائی تقسیم کو درست تسلیم نہیں کرتے بلکہ لسانی، تہذیبی بنیادوں پر از سر نو تقسیم کو ناگزیر سمجھتے ہیں تاکہ ایک زبان اور تہذیب رکھنے والے یکجا ہوکر اپنی سرواجیہ جمہوریہ قائم کرسکیں۔ ہر سرواجیہ جمہوریہ ایک مستقل ملک کی حیثیت کی مالک ہوگی۔

کل ہند نظام کو وہ انڈین فیڈرل ری پبلکس سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس میں سرواجیہ جمہوریتیں (ملک) بعض شرائط اور اختیارات کی وضاحت کے ساتھ شامل ہوں گی پروگرام میں مولانا سندھی مرحوم کے الفاظ یہ ہیں:

> "ہر ایک سرواجیہ ملک مستقبل میں ایک "سرواجی جمہوریہ" ہوگا جو اپنی اقتصادی، تمدنی آزادی محفوظ رکھتے ہوئے "متوافق جمہوریات ہند" (انڈین فیڈرل ری پبلکس) کے لیے اکائی بنے گا"۔

ہندوستان کی ریاستیں بھی اگر وہ "مہا بھارت سرواجیہ کانگریس" کے شرائط کو تسلیم کرلیں تو انڈین فیڈرل ری پبلکس کی رکن بن سکیں گی۔ مولانا نے یہ شرائط بھی پروگرام میں واضح کردی ہیں۔

مولانا سندھی نے اپنے اس پروگرام میں اس حد تک تفصیل سے کام لیا ہے کہ جمہوریتوں اور مرکز کے لیے زبان، مذہبی تعلیم کے حق، اس کے انتظام، حلقہ انتخاب، رائے دہندگان اور امیدواروں کی صلاحیتوں اور

سرواجیہ جمہوریتوں کے مابین اور مرکز (انڈین فیڈرل ری پبلکس) سے ان کے تعلقات اور اختیارات تک کی وضاحت کردی ہے۔

ان کے پروگرام کا ایک اصول یہ ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کو ملک کی آزادی کی جدوجہد آزاد ملک اور جمہوریت کے قیام، ملک کی ترقی و استحکام کے لیے ناگزیر سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہندوستان میں مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ نے ملک کو ایک ایسے سماجی سانچے میں ڈھال دیا ہے کہ انھیں الگ الگ نہیں کیا جاسکتا ہے ان کے نزدیک ہندوستانی مسلمان اپنی تاریخ، اپنی زبان، اپنے سماجی اصولوں، اپنے ذوق و عادات غرض کہ ہر اعتبار سے ایک مستقل قومیت کے خصائص رکھتے ہیں لیکن ان کے یہ خصائص انھیں ہندوستان کی غیر مسلم قوموں ہی میں امتیاز نہیں بخشتے بلکہ یہ خصائص انھیں عرب و حجاز اور دنیا کے تمام ملکوں کے مسلمانوں سے بھی الگ رکھتے ہیں تجربات نے مولانا سندھی مرحوم کے اس عقیدے کو اتنا پختہ کر دیا تھا کہ دنیا کا کوئی اسلامی ملک ہندوستان کے مسلمان کو مسلمان کی حیثیت سے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ہندوستان کے مسلمان کو "ہندوستانی" کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور اسی حیثیت میں اس سے معاملہ کرتا ہے۔

اگست ۱۹۴۷ء کے بعد جب کہ ملک دو حصوں میں تقسیم ہوا دو مستقل آزاد ملک دنیا کے نقشے میں نمودار ہوچکے ہیں۔ مولانا سندھی کے منصوبے کا مہا بھارت سرواجیہ نیشنل پروگرام کی حیثیت سے قبول کیا جانا، قطعاً خارج از بحث ہوگیا ہے لیکن جیسا کہ سید ہاشمی فرید آبادی نے فرمایا کہ یہ ہمارے افکار میں ارتقا کی ایک تاریخی شہادت بھی ہے اور پاکستان میں زبان، تہذیب، سماجی روایات کے اختلاف، مذہبی فرق اور مذاہب کے نزاعات نے جو نفرت انگیز تحریکات اور مسائل پیدا کر دیئے ہیں اور جن کا ابھی تک کوئی مستقل اور تمام مذاہب و فرق، تمام طبقات قوم اور تمام صوبوں کے لیے قابلِ قبول حل سامنے نہیں آیا ہے، ان میں مولانا سندھی کا یہ پروگرام مسائل کے تصفیے، ان کے مستقل حل، باہمی شکایات کے رفع، کسی خاص علاقے کے استحصال کے انسداد، کسی خاص طبقے کے غلبے کے توڑ، ملکی اتحاد، اعضائے قومی کے باہمی اشتراک، جمہوریت کے استحکام یا کسی نئے عادلانہ نظامِ سیاسی کی تلاش کے لیے غور و فکر کی ایک بہترین بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اب ہم اسے کل پاکستانی سرواجیہ نیشنل پروگرام کہتے ہیں۔ خصوصاً ان حالات میں کہ ہمارے ملک میں نظام سیاسی کا مسئلہ از سر نو پیدا ہوگیا ہے اور اس وقت ملک کا جو دستور ہے اس کے بارے میں صرف کہا جاسکتا ہے کہ سب اس کے وفادار نہیں، محض تابعدار ہیں۔ ۱۹۵۶ء کے اسلامی آئین کو ۱۹۶۲ء کے بنیادی جمہورت کے نظام نے

غلط ثابت کر دیا ہے بنیادی جمہوریت کے فلسفے اور پورے نظام کو ۱۹۷۳ء کے پارلیمانی نظام نے حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ ۱۹۷۳ء کے متفقہ اسلامی دستور کو ۱۹۷۷ء کے بعد کے شورائی اور غیر جماعتی پارلیمانی نظام نے کالعدم کر دیا اور پھر اس غیر جماعتی پارلیمانی نظام کو ۱۹۸۸ء کے جماعتی بنیادوں پر انتخابات نے رد کر دیا اور اس کی تمام اصلاحات و ترمیمات، مابہ النزاع ٹھہریں اور دستور کے کئی تصفیہ و طے شدہ مسائل آجکل اخبارات و رسائل میں زیر بحث آرہے ہیں کہ کیا ہیں، وقت اور حالات کا تقاضا کیا ہے اور تجربات کی رہنمائی کیا ہے اس بیچ کیا ہونا چاہیے

پاکستان کی تینتالیس ۴۳ سالہ تاریخ میں کوئی نظام رہا ہو۔ مختلف صوبوں کے گنے چنے خاندان اور ان کے تین چار سو افراد ہیں جو برسرِ اقتدار رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملک سیاسی، معاشی، اخلاقی ہر اعتبار سے تباہی کی طرف جا رہا ہے اور عوام کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے، اصل خرابی کیا ہے، اس کا سرچشمہ کہاں ہے اور اس کی اصلاح کیوں کر ہو سکتی ہے؟ مولانا سندھی مرحوم کا یہ منصوبہ اس باب میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

نظریات کے تصادم اور ایک دوسرے پر کلی عدم اعتماد کے اس ماحول میں جمہوری نظام، یا آمرانہ نظام پارلیمانی نظام، شورائی نظام، اسلامی نظام، وفاقی نظام یا نیم وفاقی نظام کے داعیوں کی تسکین اور ان کے غور و فکر کے لیے مولانا سندھی کے اس سیاسی منصوبے میں بہترین سامان موجود ہے اس بارے میں بھی مفید اشارے ملتے ہیں کہ پاکستان کے موجودہ چار صوبوں کی جغرافیائی تقسیم ہی قطعی اور آخری رہنی چاہیے یا اس خطے کی قدیم تاریخ میں اس کی علاقائی تقسیم کی حدیں تلاش کرنی چاہییں یا کراچی صوبہ یا سرائیکی صوبہ یا ملک کی انیس ۱۹ یا کم و بیش صوبوں میں تقسیم۔ ملک کے ہر قسم کے اور گمبھیر مسائل کے حل کی سعی مشکور ہو گی؟

یہ کام بہت ہی سنجیدگی اور نہایت غور و فکر کے ساتھ ایک قومی نقطۂ نظر کو اپنا کر انجام دینے کا ہے مولانا سندھی کے لائحہ عمل میں ملک کے چھوٹے سے چھوٹے طبقے یا لسانی، تہذیبی خصائص رکھنے والی مختصر جماعت کے ساتھ ناانصافی کی توقع نہیں ہے۔ اس لیے اس میں اس کے عدم اطمینان کی بھی کوئی معقول وجہ بظاہر نظر نہیں آتی۔

جو حضرات غور و فکر اور تلاش حقیقت کے اس میدان میں آگے بڑھیں انھیں اس طرح جانب دار ہونا چاہیے کہ وہ دوست سب کے ہوں ہمدرد اور غم گسار سارے جہاں کے ہوں، لیکن دشمن کسی کے نہ ہوں نقصان دہ مزر کسی کے لیے بھی پسند نہ کرنے والے ہوں۔ فرقہ وارانہ — خواہ مذہبی ہو یا لسانی اور محدود جماعتی نقطۂ نظر اس سلسلے میں ہرگز مفید نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے اختلافات و نزاعات کا ایک نیا محاذ قائم ہو جانے کا خطرہ ہے

عارضی حکومت ہند کی جزل ولٹ سولیشن کمیٹی کی رپورٹ میں پڑھ چکے ہو۔ یہ حکومت
اس لئے بنائی گئی۔ کہ ہند میں موجودہ غاصب غدار ظالم حکومت کی عوض بہترین حکومت قائم ہو
ہماری عارضی حکومت چار سال سے مسلسل جد وجہد کر رہی ہے۔ اس وقت جب تم نے
ظالمانہ قانون کے نہ ماننے کا پکا ارادہ کر لیا۔ عین اسی زمانہ میں حکومت موقتہ بھی امداد
حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

حملہ آور فوج سے حکومت موقتہ ہند نے معاہدہ کر لیا ہے۔ اس لئے اس سے مقابلہ کر کے
اپنی حقیقی قوائد ضائع نہ کریں۔ بلکہ انگریزوں کو ہر ممکن طریقہ سے قتل کریں انہیں
آدمی اور روپیہ کی مدد نہ دیں ریل تار خراب کرتے رہیں۔

حملہ آور فوج سے امن حاصل کرلیں انکو رسد اور سامان سے مدد دیکر اعزازی
سندیں حاصل کریں۔

حملہ آور فوج ہر ہندوستانی کو بلا تفریق نسل ومذہب امن دیتی ہے۔ ہر ایک
ہندوستانی کی جان مال عزت محفوظ ہے۔ فقط وہی مارا جائیگا یا بے عزت
ہوگا۔ جو مقابلہ میں کھڑا ہوگا۔ خدا ہمارے بھائیوں کو سیدھے
راستہ پر چلنے کی توفیق دے۔

عبیداللہ
وزیر حکومت موقتہ ہند

چٹھی جو مولانا عبیداللہ سندھی کی طرف سے اہل ہند
کے نام جاری کی گئی

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی

کی

ایک نادر، فکر انگیز اور غیر مطبوعہ تحریر

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم مارچ ۱۹۳۹ء میں ۲۵ سال کی جلا وطنی کے بعد وطن تشریف لائے تو مسلمانوں کی ملی و قومی زندگی سے لے کر انٹرنیشنل سطح تک کام کرنے کا ان کے سامنے ایک جامع منصوبہ اور لائحہ عمل تھا۔ اس سلسلے کے دو مرحلے تھے:

الف ، مرحلہ اول ، تعلیم و تربیت اور اصحاب استعداد کی تیاری سے تعلق رکھتا تھا ، اس مرحلے کے خاص نکات یہ تھے:

۱۔ ۱. دیوبند کا مرکز انقلاب —— دار العلوم کو رجعت پسندوں سے پاک کرنا اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کے اصولوں کے مطابق اس کی اصلاح

۲. شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے اس کے فکری تعلق کا احیاء و استحکام

۳. دار العلوم کے نصاب تعلیم میں شاہ صاحب کی تصانیف کی شمولیت اور ولی اللّٰہی حکمت کا طلبہ میں تعارف اور صاحب استعداد طلبہ کی سیاسی تربیت۔

۴. مسلمانوں کی ایک انقلابی جماعت کی حیثیت سے جمعیت علماء ہند اور اس کے انقلابی سیاسی پروگرام کی تشکیل جدید

ب ، دوسرا مرحلہ : عملی میدان میں سیاسی کام کرنے اور ملت اور قوم و وطن کی خدمت کا تھا۔ اس مرحلے کے اہم نکات یہ تھے:

۱. خالص دینی، تہذیبی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے اندر اصلاحی، تعلیمی کام کرنا

۲. آل انڈیا نیشنل کانگریس سے مسلمانوں کے تعلق کی استواری، اس کے اندر ایک مستقل پارٹی کی تشکیل، جس کا کانگریس کے اندر اپنا مستقل پروگرام ہو۔

۳. ہندوستان کی دیگر انقلابی پارٹیوں سے نکتہ ہائے اشتراک پمان کے ساتھ مل کر ملکی اور قومی سیاست میں حصہ لینا۔

(الف): ملک کی آزادی کے لیے کام کرنا۔

(ب): ملک کے دفاع، تعمیر اور اہل ملک کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا۔

۴. حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فلسفے پر مبنی ایک ایسی پارٹی کی تشکیل جو انٹرنیشنل سطح پر کل اقوام کی فکری رہنمائی کرے۔

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے ملی و قومی اور بین الاقوامی سطح پر کام کرنے کا جو لائحہ عمل مرتب کیا تھا، اس سلسلے کے بعض اہم اشارات اُن کی اس نادر اور فکر انگیز تحریر میں موجود ہیں۔

یہ تحریر مجھے مولانا عزیز احمد مرحوم سے ملی، میرا خیال ہے کہ ابھی تک یہ تحریر غیر مطبوعہ ہے، قارئین کی ضیافتِ طبع اور استفاضۂ فکری کے لیے پیش کی جارہی ہے۔

ابو سلمان شاہجہان پوری

۱۵ اگست ۱۹۹۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد: جمعیۃ علماء ہند میرے خیال میں مسلمانوں کی اجتماعی انقلابی مرکزی جماعت ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ

۱. وہ صحیح تعلیم کی رہنمائی کرے

۲. تبدیلی حالات پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں اس پر علمی نقطہ نظر سے احکام صادر کرے

۳. اس کی اپنی پارٹی سیاسی نمایندگی کے لیے قومی مجلس میں ہو

۴. اس کے اثر پھیلانے کے لیے ایک جماعت خدام خلق اللہ کے طرز کی اس کے تابع ہو

اسمبلی اور کونسل میں انتخابی مہمات میں سیدھا حصہ لینا اس کے فرائض میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ امر اول کے متعلق میری سوچی ہوئی رائے ہے کہ اسے امام ولی اللہ دہلوی کے فقہ، حدیث، تفسیر (افکار اور) حکمۃ سے باہر نہیں جانا چاہیے اس لیے اس خاص صنفِ علماء کی مخالف جماعت اہلِ علم کو جمعیت علماء ہند میں داخل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اسی لیے میں موجودہ نصاب دارالعلوم کا حامی ہوں اس سے استعداد پیدا ہوتی ہے کہ امام ولی اللہ کے معارف سمجھ میں آسکیں۔ اتباع امام الائمہ ولی اللہ (محدث دہلوی) میں امام عبدالعزیز اور مولانا رفیع الدین، ان کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا (شاہ) محمد اسحٰق، ان کے بعد مولانا محمد قاسم (نانوتوی) اور مولانا رشید احمد (گنگوہی) اس فرقہ کے امام مانے جاسکتے ہیں۔

موجودہ نصاب فقط استعداد پیدا کرتا ہے۔ تحقیق نہیں سکھلاتا فقط صحاح ستہ کا درس علم حدیث کا خصوصی درس ہے جس میں متوسط علمی لیاقت پیدا ہوجاتی ہے اس کے علاوہ باقی کتابیں کسی خاص علم کی تحقیق نہیں سکھلاتیں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ تحقیق فنون کے لیے تکمیلی مدارج کھولنے چاہییں مگر یہ مرکزی استعداد کا نصاب حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ کتابوں کے اضافہ سے تکمیل کیا جائے۔ اسے چھوڑ دینا بالکل ناجائز ہے۔

آج کل عربی زبان خود یورپین سائنس کے نقل کا آلہ بن رہی ہے۔ نئی عربی کے نام سے اس نصاب میں ترمیم کرنا اور بالآخر یورپ کی سائنس عربی میں سکھلانا کوئی بہت بڑا کمال نہیں، ہندوستانیوں کے لیے آسانی اسی میں رہے گی کہ جب تک اردو اتنی ترقی نہیں کرتی کہ تمام فنون عصر کے لیے مادہ بن سکے۔ اس وقت تک انگریزی پڑھ کر سائنس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ عربی کو اس کا ذریعہ بنانا تقلید در تقلید اور ناقص کو کامل سمجھانے کا مغالطہ پیدا کرے گا۔

ہم کو امام ولی اللہ کی حدیث و فقہ میں جس قدر ضرورت ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ میرا تجربہ اس کی رہبری کرتا ہے کہ یورپ کا فلسفہ اور سیاست سمجھنے کے لیے، یا اس کے زہر آلودہ اثر سے بچنے کے لیے یا اپنی قومی اور مذہبی خودی برقرار رکھنے کے لیے بھی امام ولی اللہ کی کتابیں بے حد ضروری ہیں۔

موجودہ نصاب چونکہ ان کے لیے ابتدائی اسکول کا مرتبہ رکھتا ہے اس لیے اسے اسی شکل میں قائم رہنا ضروری ہے۔ آج کل عربی مضامین لکھنے یا عربی بولنے کے لیے نئی عربی ایک مستقل مضمون کے طور پر سکھلائی جا سکتی ہے اس کو علوم حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا جائے گا۔

۱. فنون عصریہ کی تعلیم انگریزی اور اس کے بعد اردو کے ذریعے حاصل کرنی چاہیے۔ فلسفہ، سائنس، سیاست کے لیے بھی دارالعلوم میں مستقل شعبے کھول دیے جائیں۔

۲. دوسرے مقصد کے لیے امام ولی اللہ دہلوی کا فلسفۂ اقتصادیات ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس کی تکمیل کے لیے فلسفۂ البیات بھی ساتھ رہے۔

۳. تیسرے مقصد حاصل کرنے کے (سلسلے میں) میری رائے میں ایک مستقل نیشنل پارٹی کانگریس کے اندر ہونی چاہیے۔

۴. عام طلبہ کو خدمت خلق سکھلانا اور جمعیت علما کے معاونین پیدا کرنا ان کا کام ہوگا۔

دوسرا اہم مسئلہ اجتماعی انقلاب کی رہنمائی کا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اسلام عمومی انٹرنیشنل انقلاب کا دوسرا نام ہے، مگر اس انقلاب کے شارحین مختلف ذہنیتیں رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض فلاسفر اسلامی اصول اور مسلم ذہنیت سے متناقض مانے جاتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں ہیگل فلاسفی کے اتباع میں کارل مارکس کا انقلابی اقتصادی فلسفہ تمام عالم میں شائع ہو رہا ہے اس کے اتباع میں کامریڈ لینن نے ماسکو میں ایک عالم گیر انقلاب کا مرکز پیدا کر دیا۔

اب جمعیت علمائے ہند جیسی جماعت کو میں زور سے دعوت دیتا ہوں کہ وہ امام الائمہ (شاہ) ولی اللہ دہلوی کے فلسفے پر استقلالی نظر ڈالے اور اپنے مدارس اور مجالس میں اس کا رواج دے۔

حجۃ اللہ البالغہ کے متعدد ابواب میں اقتصادی فلسفے کے تمام اصول بالوضاحت تحریر کر دیے ہیں ازالۃ الخفاء اور بدور بازغہ میں اس کی تشریح موجود ہے اگر وہ عبارتیں نقل کر دی جائیں تو ایک مستقل رسالہ بن جائے گا جو کسی وقت آپ کے سامنے آنا چاہیے۔

سندھ ساگر اکاڈیمی

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کی ایک اہم اور غیر مطبوعہ تحریر۔ بشکریہ ۔ مولانا عزیز احمد مرحوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد! ہم جب واپس وطن پہنچے تو ہم نے مقررہ طے شدہ پروگرام کا فوراً تعارف کرانا ناممکن دیکھا ہم نے اسے تقسیم کر لیا۔ ۱۹۳۹ء کے مارچ میں ہم کراچی اترے، ہم انڈین نیشنل کانگریس میں آگے بڑھنے والوں کا نام لے کر کانگریس پارٹی سے علیحدہ ہو جاتے، فقط عدم تشدد اور وطنی اتحاد اور عوم کی بیداری کے خدام کی ہم تعریفیں کرتے ہماری شخصی رائے کوئی پوچھتا تو ہم اپنا مقصد حیات فقط حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن دیوبندی کی یادگار قائم کرنے پر منحصر کر دیتے۔ تفصیلی بحث میں ہم سب سے پہلے شیخ الہند کے ہند سے باہر کے کام کا تعارف کراتے، سمجھ دار حیران رہ جاتے۔ اس کے بعد شیخ الہند کا فیصلہ حضرت مولانا محمد قاسم بانی دارالعلوم دیوبند کی سوسائٹی کا اتباع ہے، اسے واضح کرتے۔ لوگ فہمیدہ اور واقف اگر ملتے تو حیران ہوتے، انھوں نے فقط جہاد اور لڑائی کے واقعات تو یاد کر رکھے ہیں مگر جہاد کا فلسفہ اور فتح و شکست کے بعد کے پروگرام پر کبھی غور ہی نہیں کیا جب ہم اپنے دوستوں کو مولانا شیخ الہند کے ان مقولوں کا مطلب بتلاتے جو انھوں نے بھی خود حضرت سے سنے تھے تو ہماری فی الجملہ تعریف کرتے۔

مولانا محمد قاسم کی سوسائٹی کے فیصلے سے آگے بڑھ کر ہم حضرت حاجی امداد اللہ اور حضرت مولانا مملوک علی اور مولانا مظفر حسین (کاندھلوی) اور مولانا عبدالغنی اور مولانا محمد یعقوب دہلوی اور اس درجے کے اور چند حضرات کا نام لے کر ان کے فیصلے بتلاتے جو الصدر الحمید مولانا محمد اسحٰق کے بعد دہلی میں ان کے قائم مقام تھے۔ جس کے پروگرام بالاکوٹ کی شکست کے بعد فیصل ہوئے۔ اس وقت ہمارے بعض دوست ہمیں ملامت

کرنا چھوڑ دیتے۔ مگر سو میں سے پانچ بھی ایسے نہیں ملتے رہے جو آخر تک ہماری بات ہی سُن لیں۔

ہمارے لیے اور بھی مشکلات تھیں:

(۱) روپیہ ضرورت کے مطابق نہ ہونا

(۲) گورنمنٹ کی طرف سے نگرانی کرنے والوں کو ناراض نہ ہونے دینا

(۳) اور اپنے لوگوں میں بیٹھ کر غلط صحیح الزام لگانا برٹش حکومت کو کوسنا۔ جہاد سمجھنے والوں کی بقدر ضرورت ہم نوائی بھی کرتے رہنا۔ ورنہ ڈر تھا کہ ہمیں اسلام سے نہ خارج کر دیا جائے۔ اس حالت میں اپنا اصلی پروگرام بھی کہیں نہ کہیں بتلاتے رہیں۔ اس طرح ہم نے تین سال برباد کیے

بحمدہٖ تعالیٰ جب ہم ان خرافات سے فارغ ہوئے تو ہم نے اپنی مستقل پارٹی انڈین نیشنل کانگریس میں بنانے کا اعلان کیا۔ اب یادگار شیخ الہند کی تفصیل کے لیے ایک موقع ملتا ہے۔ ہم پارٹی بنائیں گے امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفے پر اسے ملک میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اس لیے ہم یادگار شیخ الہند ایک تعلیم گاہ کی صورت میں پہلے قائم کریں گے۔ وہ ہے بیت الحکمت۔ سب سے پہلے ہم نے دارالعلوم دیوبند کے پہلے دورے میں اپنے طالب علمی والے تجربے میں بیٹھ کر اپنے ایک دو مخصوص عزیزوں اور دوستوں سے تذکرہ کیا۔ یہ ہے "بیت الحکمت" کی تاسیس۔ نہ ہم نے دارالعلوم میں اعلان کیا۔ غالبًا نہ آج تک باہر ہم نے کسی سے اس چھوٹی سی بات کا تذکرہ کیا۔

اس کے بعد دہلی جامعہ ملیہ کی فضا دیکھ آئے تو سندھ پہنچ کر ہم نے دارالرشاد (گوٹھ پیر جھنڈا) کے اپنے کمرے میں اپنے ایک دو ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر بیت الحکمت قائم کر دیا اور اس کا اعلان کراچی کے اخباروں میں کرا دیا۔ مولانا محمد صادق نے مظہر العلوم کراچی میں بیت الحکمت بنا دیا۔ مہینہ چالیس دن ہم وہاں بھی کام کرتے رہے ہیں۔

اس کے بعد ہم جامعہ ملیہ پہنچے اور "بیت الحکمت" کے مستقل مرکز بنانے میں پرانی نظارۃ المعارف (القرآنیہ، دہلی) کے زندہ کرنے کے لیے مصروف ہو گئے۔

اب ہمارے پروگرام سیاسی انقلابات سے متاثر ہو چکے ہیں اس لیے عام طور پر طالب علم نہیں ملے پھر بھی ہم تین سال تک کام کرتے رہے جو طالب علم تیار ہوتے ان کو نظام عمل بتاتے۔ ہم پھر سندھ واپس آئے اور (گوٹھ پیر جھنڈا میں) دارالرشاد کے متصل ایک قطعۂ زمین اپنی ملکیت میں حاصل کرنے میں غالبًا تین

تین سال مصروف رہے۔ جولائی ۱۹۴۳ء میں وہ قطعہ ہم کو مل گیا۔ اب ہم اپنے پروگرام پر اس میں مستقل یادگار شیخ الہند قائم کرنا چاہتے ہیں ہم اس نئی بستی کا نام ہم نے محمود نگر تجویز کیا ہے محمود نگر میں ہمارا جس قدر کام ہے ہم اسے سندھ ساگر انسٹی ٹیوٹ کے ضابطے میں لاکر امام ولی اللہ کے فلسفے پر سوسائٹی میں انقلاب لانا چاہتے ہیں جس قدر دوسرے درجے کے کام ہیں ہم ان کو سندھ ساگر اکاڈیمی کا نام دیتے ہیں۔

اس طرح ہمارا علمی مرکز بیت الحکمت جامعہ ملیہ دہلی میں اور ہمارا علمی ادارہ (سندھ ساگر اکاڈیمی) "محمود نگر" (ضلع حیدرآباد، سندھ) میں آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہے گا۔

واللہ ھو الموفق وھو المستعان ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العظیم وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عبید اللہ سندھی

۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء ہندی

دفتر سندھ ساگر اکاڈیمی۔ لیاری، کراچی[1]

مظہر العلوم، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس تحریک (سندھ ساگر انسٹی ٹیوٹ) کا مرکز محمود نگر ہے۔ مگر اس کے ساتھ کراچی طبعی طور پر مرکز بن جاتا ہے ہم نے بالفعل سندھ ساگر اکاڈیمی لیاری میں کام شروع کیا ہے۔

دفتر مراسلات، سندھ ساگر اکاڈیمی، لیاری، کراچی[1]

مولانا محمد صادق صاحب مظہر العلوم، اسلام آباد، کراچی[2]

مولانا محمد صادق صاحب کی ہمت و ہمدردی، بیت الحکمت کی سندھ میں مستقل تاسیس، امام ولی اللہ کی کتابوں کے شائع کرنے کا پہلا انتظام۔

---

[1] محلہ کلاں کوٹ نزد گبول باغ، علاقہ لیاری میں حضرت مولانا سندھی کے شاگرد رشید مولانا محمد مہاجر مدنی کا مکان تھا۔ جو بیت الحکمت اور سندھ ساگر اکاڈیمی کے کاموں کا مرکز تھا (ا۔ س۔ ش)۔

[2] دوسرا مرکز مولانا سندھی کے دوست اور مشہور انقلابی مولانا محمد صادق کا مدرسہ مظہر العلوم، اسلام آباد (قدیم نام قلعہ کھڈہ) تھا (ا۔ س۔ ش)

افادات مولانا عبید اللہ سندھیؒ

یہ تحریر مولانا سندھی مرحوم کی نہیں، ان کے بھتیجے اور رفیق غربت و جلا وطنی مولوی عزیز احمد مرحوم کی ہے، جو انھوں نے پروفیسر محمد اسلم (صدر شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی لاہور) کو اپنے قلم سے لکھ کر دی تھی، پروفیسر موصوف کے شکریے کے ساتھ نذر قارئین کی جاتی ہے۔ (ا۔س۔ق)

برائے خاطر جناب محمد اسلم صاحب

۱۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم فرمایا کرتے تھے، اگر خدا تعالیٰ نے ہمیں کسی جگہ دار العلوم قائم کرنے کی توفیق عنایت فرمائی تو ہم اس دار العلوم کے صدر دروازے پر یہ آیت کندہ کروا دیں گے: لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَعْمَلْ سُوْءًا يُّجْزَ بِهٖ [۱]

۲۔ التقویٰ کا مفہوم حضرت مولانا فرماتے تھے کہ التقویٰ ہو العدل بقولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ...... الآیۃ [۲]

۳۔ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۰ [۳] کا مفہوم یہ ہے کہ بہ یک وقت دو پروگراموں پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

احقر عزیز احمد بقلم خود

مورخہ ۷ فروری ۱۹۵۶ء در شہر کراچی تحریر شد

---

[۱] سورۂ نساء (۴) کی آیت ۱۲۳ کا ابتدائی حصہ آخری یہ ہے: وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۰ اس کا ترجمہ یہ ہے (مسلمانو! نجات و سعادت) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر (موقوف ہے) نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (وہ تو ایمان و عمل پر موقوف ہے) جو کوئی برائی کرے گا (خواہ کوئی ہو) ضروری ہے کہ اس کا بدلہ پائے گا۔ اور پھر اللہ کے سوا نہ تو اسے کوئی دوست ملے گا نہ مددگار۔

[۲] سورۂ نحل (۱۶) کی آیت ۹۰ کی طرف اشارہ ہے پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے (مسلمانو!) اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملے میں) انصاف کرو (سب کے ساتھ) بھلائی کرو اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرو اور تمہیں روکتا ہے (کن باتوں سے؟) بے حیائی کی باتوں سے، ہر طرح کی برائیوں سے اور ظلم و زیادتی کے کاموں سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ (سمجھو اور) نصیحت پکڑو۔

[۳] سورۂ روم (۳۰) کی آیت ۳۱ اس کے ابتدائی دو لفظ یہ ہیں "منیبین الیہ واتقوہ... اور اس پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: اسی ایک خدا کی طرف متوجہ رہو، اس کی نافرمانی سے بچو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔"

مکاتیبِ مولانا عبیداللہ سندھی

خصائصِ علمی پر ایک نظر

مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم نے ایک بھرپور علمی و عملی زندگی گزاری تھی اور ملک اور بیرونِ ملک کے سیکڑوں اصحابِ علم و عمل سے تعلقات تھے۔ ناممکن ہے کہ مولانا کا ان سے مراسلت کا تعلق نہ رہا ہو۔ اقبال شیدائی مرحوم کے نام ان کے جو خطوط شائع ہوئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خطوط لکھنے میں مستعد تھے اور نہ صرف جواب دینے پر اکتفا کرتے تھے، خود لکھنے میں بھی پہل کرتے تھے۔ اس بنا پر توقع تھی کہ اُن کے ہزاروں خطوط ہوں گے۔ لیکن ان کے جو خطوط اب تک سامنے آئے ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گن لی جا سکتی ہے۔

اقبال شیدائی کے نام خطوط کی تعداد اڑتیس ہے۔ دوسرے حضرات کے نام ایک ایک خط ہے۔ ان کے مکتوب الیہ مولانا[۱] عبدالباری فرنگی محلی (لکھنو)، امیر[۲] جمعیۃ الانصار مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)، شیخ عبدالرحیم[۳] (سندھ)، شیخ الہند[۴] مولانا محمود حسن (مدینہ منورہ) حضرت کے نام خط کے ساتھ جنودِ ربانیہ کا منصوبہ، منصب داران جنودِ ربانیہ کی فہرست اور حکومت موقتہ ہند (کابل) کی تفصیل بھی شامل ہے، مسٹر جی[۵] ایم سید صدر کانگریس کمیٹی سندھ، علامہ[۶] محمد صدیق بہاول پوری، مولانا[۷] غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب لاہور، شیخ التفسیر[۸] مولانا احمد علی لاہوری، مولانا[۹] عتیق الرحمٰن عثمانی (دہلی) اور مولانا[۱۰] دین محمد وفائی (کراچی) ہیں۔ ان حضرات کے نام کل گیارہ خط ہیں۔ اور ایک اعلان اہلِ ہند کے نام ہے۔ اس طرح کل بارہ تحریریں ازقسم خطوط ملتی ہیں۔ اگر اقبال شیدائی مرحوم کے نام خطوط شامل کر لئے جائیں تو کل تعداد پچاس ہو جاتی ہے۔ جو توقع سے مایوس کن حد تک کم ہے۔

اقسامِ تحریر

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے نام سے جو تحریریں اب تک چھپی ہیں، وہ کئی قسم کی ہیں اور درجۂ استناد میں یکساں برابر نہیں۔ اس فرق پر نظر رہنی چاہیے۔

۱- کچھ تحریریں ایسی ہیں جو لوگوں نے مولانا کے درس سن کر لکھ لیں۔ ان میں سے بعض تحریریں مولانا کی نظر سے گزریں اور انھوں نے ان کی صحت کی تصدیق کر دی۔ بعض تحریریں ایسی ہیں جو مولانا نے سُنیں نہ پڑھیں۔ ان کی ذمہ داری صرف اصحابِ تحریر و املا پر عائد ہوتی ہے۔ مولانا پر ان کی صحت کی ذمہ داری نہیں۔

۲- بعض تحریریں ایسی ہیں جو مولانا نے اپنے کسی رفیق و شاگرد کو املا کرائی ہیں اور لکھنے والے نے لفظ بہ لفظ لکھی ہیں اور مولانا کی زندگی میں وہ شائع ہوئی ہیں۔ ان کے مطالب کے ذمہ دار مولانا ہیں۔

۳- کچھ تحریریں ایسی ہیں جو مولانا نے اپنے قلم سے لکھی ہیں۔ ان کی زبان، اسلوب اور مطالب سب مولانا کے ہیں۔ مولانا مرحوم کے خطوط کا تعلق تحریر کی اسی قسم سے ہے۔

مضامینِ خطوط

مولانا سندھی کے خطوط میں مذہبی و دینی مسائل کم زیرِ بحث آئے ہیں۔ اگر ہیں تو محض اشارات۔ کسی مسئلے پر انھوں نے مفصّل بحث نہیں کی ہے۔ لیکن

○ ان کے سیاسی فکر کے تعین میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اُن کا سیاسی فکر کیا تھا۔ سیاسی مسائل میں کیا اصول اُن کے پیشِ نظر تھا۔ وہ کس طرح سوچتے تھے اور کس طرح وہ کسی نتیجے پر پہنچتے تھے۔ یہ خطوط اس بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں بہت مددگار ہیں۔

○ اِن سے اُن کے کابل، ماسکو، ترکی، حجاز وغیرہ میں مصروفیات و مشاغل پر روشنی پڑتی ہے۔ اِن خطوط میں اُن کے سوانح کے بارے میں نہایت مستند اور قیمتی معلومات ہیں۔

○ اِن خطوط کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اِن سے بعض حضرات کی پھیلائی ہوئی اس بات

کی قطعاً نفی ہو جاتی ہے کہ مولانا سندھی مرحوم قیام ماسکو کے زمانے میں اور بعض اپنے ساتھیوں کے زیر اثر کمیونزم سے متاثر ہو گئے تھے۔ اس کے برعکس ان کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو مطالعے کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی کی فلاسفی پر اور پختہ یقین ہو گیا تھا۔ ان خطوط کے مطالعے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ کمیونزم کے بعض نقائص اور کمزور پہلو ان کے علم میں آ گئے تھے اور اُس کے بودے پن کو انھوں نے اُس فلسفے کے اکابر اور روس کے انقلابیوں پر ثابت کر دیا تھا اور انھوں نے اعتراف کر لیا تھا کہ اگر وہ انقلاب کو کامیاب نہ کر چکے ہوتے تو وہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کو مولانا سندھی کی تشریح و تعبیر کے مطابق اختیار کر لیتے۔

○ ان خطوط سے بعض مشاہیر کے بعض خاص مشاغل اور سیرتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً : خواجہ کمال الدین (احمدی) کا انگریزوں کے لیے کام کرنا اور مولوی محمد علی لاہوری (احمدی) کا اُس سے واقف ہونے کے باوجود پردہ دری کرنا، عبدالرحمٰن صدیقی کی نہایت غیر ذمہ داری بلکہ کچھ اس سے بڑھ کر۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو قادیان کی طرف سے "دعوتِ اسلام" اور مولانا آزاد کا اُس پر دلچسپ تبصرہ، خیری برادران کے بارے میں بعض اشارات، بعض مہاجر رفیق نوجوانوں کے بارے میں معلومات جو ثابت قدم نہ رہ سکے اور حالات کی سنگینی نے اُن کے فکر و سیرت میں شکست و ریخت کے عمل کو انتہا تک پہنچا دیا۔ مولانا سندھی نے ایک خط میں لکھا ہے کہ ہمارے ہندوستانی عزیزوں کی ایک بڑی جماعت حکومت ہند کے مقرر کردہ فرائض ادا کرتی رہی ہے۔ خطوط میں ان کی ایک دوسرے کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔

○ سیاسی افکار و مسائل اور تحریک آزادی کے سلسلے میں بہت مفید باتیں خصوصاً مولانا سندھی کے مہابھارت سرو راجی پروگرام کے بارے میں بعض وضاحتیں بہت اہم ہیں، پیام مشرق اور علامہ اقبال مرحوم کے بارے میں مولانا سندھی کی رائے، ہندوستان کے سیاسی مسئلے اور ہندو مسلم تصفیے کے سلسلے میں ہندوستان اور پنجاب کی تقسیم کے بارے میں اوّلین تجاویز پر روشنی پڑتی ہے۔

○ مولانا سندھی مرحوم کے یہ خطوط نہایت فکر انگیز، معلومات افزا اور بصیرتوں اور عبرتوں کا

مرتع ہیں۔ مولانا سندھی کے اقوال، آرا اور تجربات اور مشاہدات کے تذکرے سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ خطوط تعداد میں زیادہ نہیں، لیکن تاریخ آزادی کی ایک اہم دستاویکی حیثیت رکھتے ہیں ان خطوط کے مضامین کی روشنی میں مولانا سندھی کے افکار پر مبنی کئی مضمون لکھ کر موجودہ دور کے حالات و مسائل میں رہنمائی مہیا کی جاسکتی ہے۔ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ آزادی کے حصول کی جدوجہد میں کیسے مشکل حالات سے گزرے ہیں۔ اور اپنی لگن کے کیسے پکے تھے کہ انھوں نے کبھی اور کسی حالت میں ملک کی آزادی کے مقصد کو آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

صاحبِ عزیمت

ان خطوط کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے بڑی کٹھن زندگی گزاری تھی۔ وہ زندگی کے کئی نشیب و فراز سے گزرے تھے۔ زندگی کو انھوں نے بہت قریب سے دیکھا اور برتا تھا اور انھیں بہت تلخ تجربات ہوئے تھے۔ ان کی زندگی میں ایسا وقت بھی آیا تھا کہ انھیں کوئی یار و مددگار نظر نہ آتا تھا اور ایسا بھی ہوا کہ حکومتیں ان کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے ان کے اشارۂ چشم و ابرو کی منتظر تھیں۔ کبھی ایسا ہوا کہ ان کے پاس ایک وقت کا آذوقہ فراہم کرنے کے لیے پیسہ نہ ہوتا تھا اور کبھی لاکھوں روپے خرچ کردینے کا انھیں اختیار ہوتا تھا۔

انھوں نے زندگی میں اپنوں کی بے وفائی کے چرکے بھی کھائے اور اپنے خوردوں کے ہتک آمیز رویوں کو بھی برداشت کیا۔

خطوط کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں خدا نے کس درجے تحمل اور برداشت کی خوبی رکھی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک صاحبِ عزیمت شخص تھے۔

مولانا سندھی بہت فراخ حوصلہ تھے۔ لوگوں کی غلطیوں کو معاف کردینے والے ساتھیوں اور پارٹی کے کارکنوں کی ہمت بڑھانے اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرنے والے، ان کی خوبیوں کی تعریف کرنے اور ان کی تالیفِ قلب کا ہمیشہ خیال کرنے والے بزرگ تھے۔

یگانۂ عصر

ان کے خطوط کے مطالعے سے ان کی سیرت کا جو نقشہ ذہن میں ابھرتا ہے، وہ ان

یگانہ لوگوں کی سیرت ہے جو ان کے محبوب شاعر خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے ایک غزل میں اس طرح بیان کی ہے ۔

سعی سے اکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں ‌ ‌ جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح

رسم وعادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا ‌ ‌ نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکم رانوں کی طرح

شادمانی میں گزرتے اپنے آپے سے نہیں ‌ ‌ غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح

رکھتے ہیں تمکیں جوانی میں بڑھاپے سے سوا ‌ ‌ رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح

پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی ‌ ‌ منہ بھلا تکتے ہیں ایک اک کا یگانوں کی طرح

آس کھیتی کے پنپنے کی انھیں ہو یا نہ ہو ‌ ‌ ہیں اسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح

اُن کے غصے میں ہے دل سوزی ملامت میں ہے پیار ‌ ‌ مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

کام سے کام اپنے ان کو، گو ہو عالم نکتہ چیں ‌ ‌ رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

طعن سُن سُن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

وہ جوں جوں آزمایشوں سے گزرے اور تجربات کی تلخیوں کے گھونٹ پیے، ان کا جوہرِ سیرت نکھرتا ہی گیا۔ مولانا سندھی جیسی پختہ فکر و سیرت کی مثالیں ہماری سیاسی تاریخ میں بہت تھوڑی ملیں گی۔

زبان اور طرز تحریر

مولانا سندھی مرحوم کے تمام دریافت شدہ خطوط اردو میں ہیں۔ لیکن اردو مولانا کی نہ مادری، پدری زبان تھی نہ انھوں نے اس کو بہ طور ایک فن کے سیکھا تھا۔ وہ اردو کے ادیب یا انشا پرداز نہیں تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے زبان کو کامل صحت اور قواعد کے مطابق استعمال کیا ہے۔ ان کی تحریر میں نہ کوئی لفظ زائد ہے نہ بے موقع و بے معنی۔ وہ ایک ایک لفظ سوچ سمجھ کر استعمال کیا ہے۔ وہ الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے خطوط ان کے جذبات، افکار اور ان کی زندگی اور حالات کے نشیب و فراز کے آئینہ دار ہیں

سنہ ہندی

مولانا سندھی مرحوم ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملوں سے ہندوستان کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع کرتے ہیں۔ چوں کہ اُس کے حملوں کا آغاز ۱۰۰۰ء میں ہوا تھا لہٰذا اس وقت سے ایک نئے سنہ ہندی کا آغاز کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے خطوط میں اور کئی جگہ اسی نئے سنہ ہندی کو اختیار کیا ہے۔ مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا دین محمد وفائی کے خطوط میں انھوں نے یہی سنہ اختیار کیا ہے، یعنی ۱۰ اکتوبر سنہ ۹۴۰ ہندی اور یکم مئی سنہ ۹۴۴ ہندی لکھا ہے۔ اگر اس میں ایک ہزار کا عدد (جو محمود غزنوی کے حملۂ ہندوستان سے پہلے کی مدت ہے) شامل کر دیں تو یہ سنہ عیسوی کے عین مطابق ہو جائے گا۔ قوموں کی تربیت اور سیرت کی تشکیل میں اس قسم کے اختیارات کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ مولانا سندھی مرحوم کی اس حقیقت پر نظر تھی۔

پروفیسر محمد اسلم نے اقبال شیدائی مرحوم کے نام مولانا سندھی کے جو خطوط شائع کیے ہیں، میرا خیال ہے کہ ان میں بھی مولانا نے اگر سب میں نہیں تو بعض پر ضرور سنہ ہندی درج کیا تھا۔ اسی لیے محترم اسلم صاحب کو ایک حاشیے میں سنہ ہندی کی وضاحت کرنی پڑی۔

مولانا سندھی مرحوم کے مکاتیب کے خصائص کے بارے میں جو اشارات کیے ہیں اس میں صرف یہی خطوط پیش نظر نہیں رہے جو یہاں پیش کیے گئے ہیں بلکہ "مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے سیاسی مکتوبات" سے بھی استفادہ کیا ہے۔ فاضل مرتب پروفیسر محمد اسلم نے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعارف کے ساتھ مکتوبات کی تاریخی و سیاسی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

مکاتیب

(۱) مولانا عبدالباری فرنگی محلی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد!

ازعبید اللہ عفا عنہ

بگرامی خدمت مخدومی مولانا عبدالباری مدظلہٗ

بعد از سلام مسنون آں کہ آپ کی جماعت نے تمام مسلمانوں کی طرف سے فرض ادا کیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

امید ہے کہ آپ اپنی دعوت صالحہ میں ہمیں بھی شریک رکھیں گے۔ انی احبکم فی اللہ

والسلام

دارالعلوم دیوبند۔ ۲۰ صفر ۲۹ جنوری[1]

(۲) مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم:

دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند کی تحریک کے خلاف ارباب اہتمام نے جو رکاوٹیں پیدا کی تھیں اس میں حضرت کے خلاف کچھ کہنے یا تحریک کی مخالفت کے بجائے مولانا عبیداللہ سندھی سیکریٹری جمعیۃ الانصار کی ذاتِ گرامی کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ اور اس کے لیے مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کو استعمال کیا گیا تھا۔ حضرت کشمیری کو بعد میں احساس ہوگیا تھا کہ انھیں اس معاملے میں محض استعمال کیا گیا ہے۔ انھوں نے مولانا سندھی سے ان کے قیامِ حجاز کے زمانے میں معذرت کر لی تھی۔ یہ حضرت کی للٰہیت اور اخلاص کے لیے بہت بڑا ثبوت ہے۔

حضرت شیخ الہند نے جب دیکھا کہ حالات ایسے پیدا کر دیے گئے ہیں جن میں تحریک کو جاری رکھنا مفید نہیں ہوسکتا تو انھوں نے مولانا سندھی سے استعفاد لوا دیا اور ان کے کام کا مرکز دہلی منتقل کر دیا اور نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کرا دیا۔ جس کے سرپرستوں میں مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان اور علی گڑھ کالج کے سیکریٹری نواب وقار الملک برابر کے درجے میں شریک تھے۔

مولانا سندھی مرحوم کے اس استعفیٰ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ تقریباً وسط مئی ۱۹۱۳ء تک دیوبند میں مقیم تھے۔

---

[1] اس خط پر سنہ تحریر نہیں لیکن ۱۳۳۱ھ میں ۲۰ صفر ۲۹ جنوری ۱۹۱۳ء کے مطابق تھی۔ اس وقت مکتوب نگار مولانا سندھی دیوبند میں مقیم تھے۔ (ا-س-ش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد!

بخدمت شریف مولانا امیر جمعیۃ الانصار دامت برکاتہم۔

بعد سلام مسنون، معروض آں کہ جلسۂ انتظامیہ کے تمام ممبر جہاں تک مجھے معلوم ہوا، میری نسبت اچھے خیالات نہیں رکھتے۔ اگر جامعۃ القاسمیہ تک معاملات کا مرافعہ کیا جاوے اور میں اپنی براءت ثابت کرلوں، تو بھی اتفاق سے کام چلانا مشکل ہے۔

لہٰذا جمعیۃ الانصار کی خدمت سے استعفاء پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد مجھے جمعیۃ الانصار کے کسی شعبے سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور اپنے معاملات کا ذاتی حیثیت سے ذمّہ دار ہوں گا۔

جناب والا جس قدر جلد ممکن ہو منظور فرما کر اعلان کی اجازت مرحمت فرماویں گے۔ تاکہ مجھے اپنے طور پر کام کرنا آسان ہوسکے۔

والسّلام عبید اللہ عفی عنہ۔ دیوبند

۴ جمادی الثانیہ (سنہ ۱۳۳۱ھ) ۱۱ مئی (سنہ ۱۹۱۳ء)[1]

(۳) شیخ عبد الرحیم سندھی:

۹ رمضان یوم دوشنبہ[2]

کابل

سلام مسنون

آپ ضرور یہ امانت مدینہ طیبہ میں حضرت مولانا کی خدمت میں کسی معتمد حاجی کی معرفت پہنچادیں۔ یہ ایسا کام ہے کہ اس کے لیے مستقل سفر کرنا نقصان نہیں۔ اگر آدمی معتمد ہو تو زبانی یہ بھی کہہ دیں کہ حضرت مولانا یہاں آنے کی بالکل کوشش نہ کریں اور مولوی اگر اس حج پر نہ آسکیں تو خیال فرمالیں کہ اس کا آنا ممکن نہیں"۔

آپ اس کے بعد خود میرے پاس آنے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ یہاں بہت سے ضروری کام ہیں۔ ضرور آئیے[3]

---

[1] تاریخ کے ساتھ سنہ درج نہیں تھا لیکن سنہ ۱۳۳۱ھ میں ۴ جمادی الثانیہ ۱۱ مئی سنہ ۱۹۱۳ء کے مطابق تھی (ا س ش)

[2] ۹ رمضان مطابق ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء [3] یہ بات مکتوب الیہ کے لیے لکھی گئی ہے (ا س ش)

اگر خدانخواستہ آپ کو معتمد حاجی نہ مل سکے اور آپ خود بھی نہ جا سکیں تو مولوی حمداللہ ساکن پانی پت سے اس معاملے میں مدد لیں۔ یہ ضروری ہے کہ اس حج کے موقع پر یہ اطلاعات حضرت مولانا کے پاس پہنچ جائیں اور وہاں سے جو اطلاع ملے وہ براہ راست نہ ہو سکے تو مولوی احمد لاہوری کی معرفت ہمیں ضرور ملنی چاہیے۔

عبیداللہ

⑷ شیخ الہند مولانا محمود حسن:

شیخ عبدالرحیم مرحوم کے نام خط میں مولانا سندھی نے جس خط کو مولانا محمود حسن کو پہنچانے کی تاکید کی ہے، وہ ہے جس میں کابل میں ہندوستانی مشن کی آمد، اُس کے مقصد، ہندوستان کی پروویژنل گورنمنٹ کے قیام اور اس کی طرف سے مختلف ممالک کے لئے سفارتوں کی روانگی کی تفصیلات اور مولانا سندھی نے پروویژنل گورنمنٹ میں اپنی شرکت کی مصلحت پر روشنی ڈالی ہے۔

اس خط کے ساتھ جنود ربانیہ کا منصوبہ اور منصب داران جنود ربانیہ کی فہرست ہے۔

یہ تینوں چیزیں مولانا سندھی مرحوم کے قلم سے ہیں۔ انھیں تحریروں کی بنیاد پر "ریشمی خطوط سازش کیس" اور مقدمہ قائم کیا گیا تھا۔ ان کے ساتھ حضرت شیخ الہند کے نام مولانا محمد میاں کا خط بھی تھا جسے "ریشمی خطوط" میں شامل کیا گیا تھا۔ یہاں صرف مولانا سندھی کے خط اور تحریروں کو مرتب کیا گیا ہے۔ (ا۔س۔ش)

۱۔ مولوی عبیداللہ کا منصوبہ جنود ربانیہ:

الجنود الربانیہ یعنی لشکرِ نجات

مسلم سالویشن آرمی یا ملکی فوج

الف: مقصد؛ اتحادِ دولِ اسلامی

ب: مراکز؛ ۱۔ مرکز اصلی صدر مقام جنرل —— مدینہ طیبہ

۲۔ مرکز ثانوی صدر —— مقام قائم مقام جنرل، ۱۔ قسطنطنیہ، ۲۔ تہران، ۳۔ کابل

۳۔ مرکز درجہ سوم صدر —— مقام لیفٹیننٹ جنرل: جو دول اسلامیہ کفر کے زیر اثر ہوں

ج: حلقۂ اثر؛ ۱۔ قسطنطنیہ کا یورپ و افریقہ، ۲۔ تہران کا وسط ایشیا، ۳۔ کابل کا ہندوستان

د: مناصب۔ دس قسم کے ہیں؛

۱- مربی (پیٹرن)، ۲- مردِ میدان (فیلڈ مارشل)، ۳- سالار (جنرل) جتنا جو نائب سالار کسی مرکز ثانوی میں ہو، اس کو قائم مقام سالار کہیں گے۔ یہ سرپرستانِ الجنود ربانیہ ہیں،

۴- قائم مقام سالار و نائب سالار (لیفٹیننٹ جنرل)، ۵- معین سالار (میجر جنرل)

۶- ضابطہ (کرنل)، ۷- نائب ضابطہ (لیفٹیننٹ کرنل)، ۸- درشہر صدر باشی (میجر)

۹- صد باشی (کپتان)، ۱۰- پنجاہ باشی (لیفٹیننٹ)۔

۵ : تعداد ماتحتان و مشاہرہ[۱] : (افسر کل الربانیہ- یعنی سالار) ۱۰ پونڈ (۱۲ ہزار) ۵۰ پونڈ یا ۴۰ پونڈ (۳ ہزار) ۲۰ پونڈ (ایک ہزار) ۱۰ پونڈ (۵۰۰) ۵ پونڈ (۲۵۰) ۴ پونڈ (۱۰۰) ۳ پونڈ (۵۰) ۲ پونڈ

۱د : اختیاراتِ خرچ ماہواری : ایک ہزار پونڈ، ۵۰۰ پونڈ، ۲۴۰ پونڈ، ۶۰ پونڈ، ۲۰ پونڈ ۱۰ پونڈ، ۵ پونڈ، ۲ پونڈ، ۱ پونڈ

۲- منصب داران جنود ربانیہ :

(الف) مربی : ۱- سالار المعظم خلیفۃ المسلمین ۲- سلطان احمد شاہ قاچار (ایران)

۳- امیر حبیب اللہ خان (کابل)

(ب) مردان : ۱- انور شاہ ۲- ولی عہد دولتِ عثمانیہ ۳- وزیر اعظم دولت عثمانیہ

۴- عباس حلمی پاشا ۵- شریف مکہ معظمہ ۶- نائب السلطنت کابل سردار نصر اللہ خان

۷- معین السلطنت کابل سردار عنایت اللہ خان ۸- نظام حیدر آباد ۹- والیِ بھوپال

۱۰- نواب رام پور ۱۱- نظام بہاول پور ۱۲- رئیس المجاہدین۔

(ج) جنرل یا سالار : ۱- سلطان المعظم حضرت مولانا (محمود حسن) محدث دیوبندی ۲- قائم مقام سالار کابل مولانا عبید اللہ صاحب

(د) نائب سالار یا لیفٹیننٹ جنرل : ۱- مولانا محی الدین خان صاحب ۲- مولانا عبد الرحیم صاحب

---

[۱] یہ مشاہرہ سالار (جنرل) اور اس کے نیچے کے سات منصبوں کے لیے بالترتیب ہے۔ قوسین میں اس منصب کے ماتحت فوجیوں کی تعداد کی صراحت ہے اور اس کے آگے تخمینی مشاہرہ ہے۔ اس کے نیچے دفعہ "د" کے تحت اوپر کی ترتیب کے مطابق سالار اور اس کے نیچے کے سات منصب داروں کے ماہانہ خرچ کے اختیارات کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً سالار اپنی صواب دید و اختیار سے کسی ضروری مصرف میں ایک ہزار پونڈ تک خرچ کر سکتا ہے۔ (ا- س- ش)

۳ ۔ مولانا غلام محمد صاحب بہاولپور ۴ ۔ مولانا تاج محمود صاحب سندھی ۔
۵ ۔ مولوی حسین احمد صاحب مدنی ۶ ۔ مولوی حمداللہ صاحب عرف حاجی صاحب ترنگ زئی
۷ ۔ ڈاکٹر (مختار احمد) انصاری ۸ ۔ حکیم عبدالرزاق صاحب ۹ ۔ ملا صاحب باڑا
۱۰ ۔ کوہستانی ۱۱ ۔ خان صاحب باجوڑ ۱۲ ۔ مولوی ابراہیم صاحب کالوی
۱۳ ۔ مولوی محمد میاں ۱۴ ۔ حاجی سعید احمد انبیٹھوی ۱۵ ۔ شیخ عبدالعزیز شاویش
۱۶ ۔ مولوی عبدالکریم صاحب نائب رئیس المجاہدین ۱۷ ۔ مولوی عبدالعزیز رحیم آبادی
۱۸ ۔ مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی ۱۹ ۔ مولوی عبداللہ غازی پوری ۲۰ ۔ نواب ضمیر الدین احمد
۲۱ ۔ مولوی عبدالباری صاحب ۲۲ ۔ ابوالکلام (آزاد) ۲۳ ۔ (مولانا) محمد علی
۲۴ ۔ (مولانا) شوکت علی ۲۵ ۔ (مولانا) ظفر علی ۲۶ ۔ (مولانا) حسرت موہانی
۲۷ ۔ مولانا عبدالقادر قصوری ۲۸ ۔ مولوی برکت اللہ بھوپالی ۲۹ ۔ پیر اسداللہ شاہ سندھی

(۵) معین سالار (میجر جنرل) ۱ ۔ مولوی سیف الرحمٰن ۲ ۔ مولوی محمد حسن مراد آبادی ۳ ۔ مولوی عبداللہ
انصاری ۴ ۔ میر سرت الدین بہاولپوری ۵ ۔ باچا ملا عبدالخالق ۶ ۔ مولوی بشیر
رئیس المجاہدین ۷ ۔ مولوی محمد علی قصوری ۸ ۔ سید سلیمان ندوی ۹ ۔ (عبداللہ) عمادی
۱۰ ۔ غلام حسین آزاد سبحانی ۱۱ ۔ کاظم بے ۱۲ ۔ خوشی محمد ۱۳ ۔ مولوی ثناء اللہ (امرتسری)
۱۴ ۔ مولوی عبدالباری مہاجر وکیل حکومت موقتہ ہند ۔

(د) ضابطہ (کرنل) : ۱ ۔ شیخ عبدالقادر مہاجر ۲ ۔ شجاع الدین مہاجر نائب وکیل دولت
موقتہ ہند ۳ ۔ مولوی عبدالعزیز وکیل وفد حزب اللہ یاغستان ۴ ۔ مولوی فضل ربی
۵ ۔ مولوی عبدالحق لاہوری ۶ ۔ میاں فضل اللہ ۷ ۔ صدرالدین ۸ ۔ مولوی
عبداللہ (لغاری) سندھی ۹ ۔ مولوی ابومحمد احمد لاہوری ۱۰ ۔ مولوی احمد علی نائب
ناظم نظارۃ المعارف (القرآنیہ دہلی) ۱۱ ۔ شیخ عبدالرحیم سندھی ۱۲ ۔ مولوی محمد صادق
سندھی (کراچوی) ۱۳ ۔ مولوی ولی محمد ۱۴ ۔ مولوی عزیر گل ۱۵ ۔ خواجہ عبدالحی
(فاروقی) ۱۶ ۔ قاضی ضیاء الدین ایم اے ۱۷ ۔ مولوی ابراہیم سیال کوٹی
۱۸ ۔ عبدالرشید بی اے ۱۹ ۔ مولوی ظہور احمد ۲۰ ۔ مولوی محمد مبین

۲۱۔ مولوی محمد یوسف گنگوہی ۲۲۔ مولوی رشید احمد انصاری ۲۳۔ مولوی عبدالسلام فاروقی ۲۴۔ حاجی احمد جان سہارن پوری

(ز) نائب ضابطہ (لیفٹیننٹ کرنل): ۱۔ ظفر حسن بی اے مہاجر ۲۔ اللہ نواز خان بی اے مہاجر ۳۔ رحمت علی بی اے مہاجر ۴۔ عبدالحمید بی اے مہاجر ۵۔ حاجی شاہ بخش سندھی ۶۔ مولوی عبدالقادر دین پوری ۷۔ مولوی غلام نبی ۸۔ محمد علی سندھی ۹۔ حبیب اللہ

(ح) میجر: ۱۔ شاہ نواز ۲۔ عبدالرحمٰن ۳۔ عبدالحق

(ط) کپتان: ۱۔ محمد سلیم ۲۔ کریم بخش

(ی) لیفٹیننٹ: ۱۔ نادر شاہ

نوٹ:۔ ایک اور فہرست میں محمد علی سندھی اور حبیب اللہ کا نام میجر کی فہرست میں درج ہے۔

۳۔ احوال انجمن دیگر بنام حکومت مؤقتہ ہند:

ایک ہندوستانی رئیس مہندر پرتاب ساکن بندرابن جسے آریاؤں کی جماعت سے خاص تعلق ہے اور ہندوستانی راجگان سے واسطہ در واسطہ ملتا ہے، گزشتہ سال جرمنی پہنچا۔ قیصر سے ہندوستان کے مسئلے میں ایک تصفیہ کرکے اس کا ایک خط بنام رؤساءِ ہند و امیر کابل لایا۔ حضرت خلیفۃ المسلمین نے بھی قیصر کی طرح اسے اپنا وکیلِ ہند بنایا۔ اس کے ساتھ مولوی برکت اللہ بھوپالی جو جاپان و امریکہ میں رہ چکے ہیں، برلن سے ہمراہ ہوئے۔

قیصر کے ایک قائم مقام اور سلطان المعظم کے ایک افسر اُس کے ساتھ کابل آئے۔ یہ لوگ میرے کابل پہنچنے سے دس روز قبل پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے ہندوؤں کے فوائد کی تائید میں ہندوستانی مسئلہ امیر صاحب کے سامنے پیش کیا اور کابل میں دونوں نے ایک انجمن کی بنام مذکورۂ بالا بنیاد ڈالی۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے معاملاتِ مستقبل میں دول عظمٰی سے معاہدات کرلے۔

ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ انھوں نے مجھ سے اس انجمن میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ میں نے اسلامی مفادات کی حفاظت کی نظر سے قبول کیا۔

(۱) چند روز کے مباحثات کے بعد اِس انجمن نے قبول کرلیا کہ افغانستان اگر جنگ میں شرکت کرتا

ہے تو ہم اُس کے شاہزادے کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ ماننے کو تیار ہیں اور اس قسم کی درخواست امیر صاحب کے یہاں پیش کر دی ۔ لیکن چوں کہ امیر صاحب ابھی شرکت جنگ کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے معاملہ ملتوی کر رکھا ہے ۔

(۲) اس حکومت کی طرف سے روس میں سفارت گئی ، جس میں ایک ہندو اور ایک مہاجر طالب علم تھا جو افغانستان کے لیے مفید اثرات لے کر واپس آئے ۔ اب روس کا سفیر کابل آنے والا ہے۔ روس سے انگریزوں کی برہمی میں جس کے فیصلے کے لیے پکڑ جاتا ہوا غرقاب ہوا ۔ ممکن ہے سفارت مذکورہ کا اثر بھی شامل ہوا ۔

(۳) ایک سفارت براہِ ایران، قسطنطنیہ اور برلن گئی ۔ اس میں دونوں ہمارے مہاجر طالب علم ہیں۔ امید ہے کہ حضور میں حاضر ہو کر مورد عنایت ہوں گے ۔

(۴) اب ایک سفارت جاپان اور چین کو جانے والی ہے ۔

(۵) ہندوستان میں پہلی سفارت بھیجی گئی ، وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوئی ۔

(۶) اب دوسری سفارت جارہی ہے ۔

(۷) تھوڑے دنوں میں ایک دوسری سفارت برلن جانے والی ہے ۔

جرمن سفارت سے میرے تعلقات بہت اعلیٰ درجے پر ہیں ۔ جس سے اسلامی فوائد میں پوری مدد ملے گی ۔ اس حکومتِ موقتہ میں راجہ مہندر پرتاب صدر ہیں ، مولوی برکت اللہ بھوپالی وزیر اعظم اور احقر وزیر ہند ۔

فقط والسلام

(عبید اللہ)

⑤ اہل ہند کے نام :

یہ اعلان مولانا سندھی مرحوم نے حکومتِ موقتہ ہند (کابل) کی جانب سے ۱۹۱۸ء میں جاری کیا تھا جب کہ امان اللہ کی حکومت نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ یہ معاہدہ جس کا اس اعلان میں ذکر ہے امان اللہ خان کی حکومت اور مولانا عبید اللہ سندھی وزیر داخلہ حکومت موقتہ ہند (کابل) کے مابین طے پایا تھا ۔

حکومت موقتہ ہند - نظارت داخلہ

عارضی حکومت ہند کی خبر رولٹ سڈیشن کمیٹی کی رپورٹ میں پڑھ چکے ہو یہ حکومت اس لیے

بنائی گئی ہے کہ ہند میں موجود غاصب، غدار، ظالم حکومت کے عوض بہترین حکومت قائم ہو۔ تمہاری عارضی حکومت چار سال سے مسلسل جدوجہد کر رہی ہے۔ اس وقت جب تم نے ظالمانہ قانون کو نہ ماننے کا پکا ارادہ کرلیا۔ عین اسی زمانے میں حکومتِ موقتہ بھی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

حملہ آور فوج سے حکومتِ موقتۂ ہند نے معاہدہ کرلیا ہے۔ اس لیے اُس سے مقابلہ کرکے اپنے حقیقی فوائد ضائع نہ کریں۔ بلکہ انگریزوں کو ہر ممکن طریقے سے قتل کریں۔ انھیں آدمی اور روپے کی مدد نہ دیں۔ ریل، تار خراب کرتے رہیں۔

حملہ آور فوج سے امن حاصل کرلیں۔ ان کو رسد اور سامان سے مدد دے کر اعزازی سندیں حاصل کریں۔

حملہ آور فوج ہر ہندوستانی کو بلاتفریقِ نسل و مذہب امن دیتی ہے۔ ہر ایک ہندوستانی کی جان، مال، عزت محفوظ ہے۔ فقط وہی مارا جائے گا یا بے عزت ہوگا جو مقابلے میں کھڑا ہوگا۔

خدا ہمارے بھائیوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔

عبیداللہ

وزیر حکومت موقتہ ہند

(٦) حکمۃ الامام ولی اللہ الدہلوی:

مبدء تدریسہا ١١٥٦ھ الطواق ١٧٤٣ء ہندی

از عبیداللہ السندھی ٣٠ رجب سنہ ١٣٥٦ ہجری[1]

بخدمت شریف جناب چوتھ رام صاحب،

پریزیڈنٹ کانگریس کمیٹی سندھ

ڈاکٹر اشرف کا بیان اخبارات میں دیکھا کہ محترم المقام جناب پنڈت جی[2] پریزیڈنٹ انڈین نیشنل کانگریس نے انھیں میری واپسی کے لیے کوشش کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی دعوت پر علمائے دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ العلماء نے میری واپسی کی تجاویز منظور کیں۔ پھر میرے محبوب[3] ملک سندھ کی (کانگریس) کمیٹی نے آپ کی ہدایت پر کام کیا، پھر آپ نے مجھے کونسل کے مباحثے

---

[1] مطابق ٦ راکتوبر سنہ ١٩٣٧ء یوم چہار شنبہ۔ [2] پنڈت جواہر لال نہرو جو اس زمانے میں (سنہ ١٩٣٦-٣٧ء) کانگریس کے صدر تھے

کی اطلاع دہی سے یاد فرمایا ہے - ان سب کوششوں کا میرے دل پر خاص اثر ہے. میری طرف سے سب بزرگ اور دوست اور بھائی بہت بہت شکریہ قبول فرمائیں ۔

(الف) آپ کا ارشاد تھا کہ تار میں جلدی مختصر خبر بھیج دوں - اس کی تعمیل نہ کرسکا معافی چاہتا ہوں میرا خیال ہے کہ اس قسم کے مختصر بیان میری طرف سے گورنمنٹ کو مطمئن نہیں کرسکتے ۔ میرا دعویٰ ہے کہ کمیونسٹ ایولیوشن کو میں نے کبھی اپنا سیاسی عقیدہ (کریڈ) نہیں بنایا اور نہ آئندہ میرے جیسے لوگوں سے یہ ممکن ہے ۔ گورنمنٹ اپنی معلومات پر احتیاط سے نظر ثانی کرے گی تو وہ خود اس کی شہادت دے گی ۔

(ب) میں نے کمیونسٹ تھرڈ انٹرنیشنل کی تھیوری اور پروگرام اور آرگنائیزیشن کا ماسکو میں سات مہینے سرکاری مہمان رہ کر مطالعہ کیا ہے - باوجودیکہ میں کوئی یورپین زبان نہیں جانتا، اپنے رفیقوں کی مدد سے، جن میں نیشلسٹ اور کمیونسٹ دونوں رفیق تھے، ہزارہا صفحے کا زبانی ترجمہ سنا - سیکڑوں مضمون کا انھوں نے اردو میں ترجمہ لکھ دیا، تاکہ میں بار بار مطالعہ کرسکوں میں نے پروفیسروں کے لیکچر انھیں رفیقوں کی ترجمانی سے باقاعدہ سنے ۔ میں نے اعلیٰ ذمے داری کے افسروں سے مباحثے کیے، مگر میں نے کمیونسٹ نظریہ اپنی کریڈ نہیں بنایا ۔ چوں کہ ایک نادر موقع میسر آیا تھا، میں نے اُس سے علمی فائدہ حاصل کرنے میں قصور نہیں کیا ۔ چناں چہ ہماری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے رجسٹرار مجھے یورپ میں ملے تو چند سوالات کے بعد اُن کی یہ رائے تھی کہ میں اِس نظریے کو اُن کے پروفیسروں سے زیادہ جانتا ہوں ۔

(ج) جو لوگ میری عملی سائیکالوجی سے واقف ہیں، وہ کبھی مان نہیں سکتے کہ میں کمیونسٹ کریڈ قبول نہیں کرسکتا ہوں ۔

میں سولہ سال کی عمر میں اسکول سے فارغ ہو کر مسلمان ہوا ۔ چار سال محنت کر کے دارالعلوم (دیوبند) سے سندِ فضیلت حاصل کی ۔ سب کچھ پڑھنے کے بعد میرا اطمینان نہیں ہوا ۔ میرے استاد مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہند نے مجھے شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کی طرف توجہ دلائی اور سات سال کی مسلسل محنت کے بعد مجھے شاہ ولی اللہ کی اسلامی تشریح پر اطمینان ہوا ۔ اس کے بعد میں ہر ایک مسلمان عالم کی ہر ایک بات ماننے کا قائل نہیں رہا ۔

سندھ میں ایک مدرسہ بنا کر سات سال تک اپنی تحقیقات پڑھاتا رہا ۔ اس کے بعد میں نے ساری توجہ قرآن کریم کو شاہ ولی اللہ کی فلاسفی سے حل کرنے میں صرف کر دی ۔ آخر میں شیخ الہند سے شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی سب سے اعلیٰ کتاب کا درس لیا ۔

(د) میری ننھیال کے پنجاب کے سکھ حکمرانوں کے دور کے تعلقات تھے ۔ اس لیے پنجاب کی آزادی کے خواب میرے بچپن کے کھیل ہیں ۔ اسلامی تعلیم جب مکمل کر چکا تو ان خیالات پر نظر ثانی کرنے سے وہی جذبہ دہلی کی آزادی کی طرف متوجہ ہو گیا ۔ شاہ ولی اللہ کی فلاسفی ایک خاص سیاسی اسکول (آف تھاٹ) کی (طرف) رہنمائی کرتی ہے ۔ اُن کے سیاسی اسکول کے متبعین کی تاریخ سامنے رکھ کر میں نے اپنے لیے ایک پروگرام بھی بنا لیا ۔ وہ اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی ، مگر ہند سے باہر کے مسلمانوں سے اُسے کوئی تعلق نہ تھا ۔

کچھ عرصے بعد میں نے شیخ الہند سے اس کا ذکر کیا ۔ انھوں نے اس میں اصلاح کا مشورہ دے کر اُسے اتحاد اسلام کی ایک کڑی بنا دیا ۔ اس کے بعد جس طرح علمی تحقیقات میں شیخ الہند سے خاص تعلق رکھتا تھا ۔ سیاسیات میں بھی اُن کے اتباع میں داخل ہو گیا ۔ انھوں نے مجھ پر اعتبار کر کے اپنی خاص جماعت میں شامل کر لیا ۔

(ہ) بارہ سال میں شیخ الہند کے حکم سے سندھ میں کام کرتا رہا ۔ میرا درجہ بڑھا کر چار سال انھوں نے مجھے دیوبند میں اپنے پاس رکھا اور اپنے لوگوں سے متعارف کرا دیا ۔ دو سال دہلی میں علی گڑھ پارٹی سے ملنے کے لیے چھوڑا ۔ میرے استاد نے میرا تعارف ڈاکٹر انصاری سے کرایا اور ڈاکٹر (انصاری) نے مجھے مولانا محمد علی سے ملایا اور مولانا ابوالکلام (آزاد) سے تعارف کرایا ۔ اس کے بعد مجھے کابل بھیج دیا ۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت شیخ الہند نے ایک عرصے سے مجھے اس کام کے لیے متعین کر لیا تھا ۔ جس قدر ضرورتیں مجھے کابل میں نظر آئیں ، اُن امور کو وہ پہلے سے تیار کرتے رہے ۔ فقط ایک خانہ میرے لیے خالی چھوڑ رکھا تھا ۔ جسے پُر کرنے کے لیے مجھے حکم دیا ۔ میں نے یہ کام نہایت تنگ دلی سے قبول کیا ۔ میرے لیے اپنی طبیعت کے موافق ہندوستان میں کام کا بڑا میدان تھا اور میں اپنے آپ کو کابل سے بالکل غیر مناسب پاتا تھا ۔ مگر اب شکر

کرتا ہوں کہ اللہ نے اپنے بزرگ کا حکم ماننے کی توفیق دی۔

(د) میں کابل میں حکومت افغانیہ کے ساتھ کام کرتا رہا - امیر حبیب اللہ خان نے مجھے حکم دیا کہ میں ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کروں - اب تک میں ایسے کام کی خود جرأت نہیں کرسکتا تھا، مگر اس حکم نے مشکل حل کردی - ایسے معاملات میں امیرالمسلمین کا حکم ماننا اس کام کو اسلامی فرض بنا دیتا ہے - اُس وقت سے میں نے کانگریس کی تائید شروع کی - بیرونی لوگوں سے اُس کا تعارف کراتا رہا کہ ہندوستانی لوگوں کے لیے وہ پارلیمنٹ کا درجہ رکھتی ہے -

میں ۱۹۰۱ء سے مسلسل اخبار پڑھنے والا ہوں - کانگریس کو اور تقسیم بنگال میں اُس کی کامیابی کو اچھی طرح جانتا ہوں - میرے دوست پروفیسر جیوت رام کرپلانی اچھی گواہی دے سکتے ہیں - میں اس راستے پر تیزی سے بڑھتا گیا - آخر امیر امان اللہ خان کے زمانے میں میں نے کابل میں کانگریس کمیٹی بنائی جس کا ڈاکٹر انصاری نے گیا سیشن میں کانگریس سے الحاق منظور کرا دیا - جہاں تک میرا علم ہے برٹش ایمپائر سے باہر یہ کانگریس کی پہلی کمیٹی ہے -

اس سال (۱۹۲۲ء) ہم روس پہنچے - وہاں میرا تعارف کانگریس کمیٹی کابل کے پریزیڈنٹ کے نام سے ہوا - اس زمانے میں ڈاکٹر نور محمد حیدرآبادی (سندھی) میرے سیکرٹری تھے - کیا کوئی عقل مند تجویز کرسکتا ہے کہ میں اپنی نیشنل تحریک سے غداری کرکے اس انٹرنیشنل جماعت سے عزت کی امید کروں گا - جہاں نیشنلسٹ ہندوستانیوں کی کافی تعداد موجود ہے - اس لیے بھی میرے لیے ناممکن تھا کہ کمیونسٹ کریڈ قبول کروں -

(ز) کابل تک میں صحیح معنی میں پین اسلامسٹ تھا - اسلام کے فائدے کے لیے انڈین نیشنل کانگریس میں داخل ہوا - لیکن ترکی کی شکست کے بعد اتحاد اسلام کا کوئی مرکز نظر نہیں آتا تھا اور نہ مستقبل قریب میں کسی آزاد مرکز کی توقع کی جاسکتی تھی - اتحاد اسلام کے عوض روس کا لادینی انٹرنیشنلزم ہمارے نوجوانوں کے دلوں کو لبھا لیتا تھا - اس سے میں سخت حیران ہوگیا -

(ح) اس کے بعد ہم ترکی میں رہے - جیسے ترکی نے اپنا اسلام اپنی قومیت کا جز بنالیا - اس کا میں نے اچھی طرح مطالعہ کیا ہے - اس طرح میرا یہ فیصلہ بھی قطعی ہوگیا ہے کہ مجھے اسلام کی

حفاظت کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کے اسلام کو نیشنل کانگریس کا جزو بنا دینا چاہیے۔ میری تحقیق میں ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت خصوصاً ادنیٰ طبقے کے لوگ میری طرح ہندوؤں کی اولاد ہیں۔ ان کا قدرتی وطن اور ملک ہند کے سوا دوسرا ملک نہیں ہو سکتا۔ اور جو لوگ باہر سے آئے مگر یہیں کے ہو رہے ہیں، وہ بھی ہماری طرح ہند سے باہر اپنا کوئی ہمدرد نہ پائیں گے۔ انھیں بھی اپنی ملکی طاقت کے زور پر اپنا مذہب چلانا چاہیے۔

(ط) اس کے لیے کافی وقت صرف کرکے میں نے شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی رہنمائی میں اسلامی تعلیمات پر نظرثانی شروع کی اور اس کو ایسا کر دیا کہ ہندوستانی قومیت کے ساتھ جمع ہو سکے تاکہ تمام ہندوستانی قوموں سے مسلمانوں کی مذہبی جنگ ختم ہو جائے۔

یہ میں نے اپنی قوم کی سائیکالوجی جانتے ہوئے اس پر اعتماد کیا ہے کہ جب ہم ہندوؤں پر ظلم کرنا چھوڑ دیں گے تو وہ کبھی ہم پر ظلم نہیں کریں گے۔ آج بھی مسلمانوں کے بعض بڑے بڑے آدمی ہندوؤں کے سماجی غلبے سے ڈر رہے ہیں، میرا جواب ان کے لیے یہ ہے کہ شاید وہ پہلے ہندوؤں پر زیادتی کر چکے ہیں اور اب بھی اس قسم کے کام مذہب کے نام پر کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ضرور ڈرنا چاہیے۔ مگر جو مسلمان اس انقلاب سے پہلے تاریخ کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لیتا۔ اُس زمانے کے کام اُس زمانے کے لوگوں کی ذمہ داری پر مخصوص کر دیتا ہے اور آیندہ ہمارے پروگرام پر چلتا ہے، اسے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔

(ی) اس قدر اصلاح کے بعد بھی ہندوستانی مسلمان کے لیے ایک زبردست خطرہ نمودار ہوتا ہے۔ ہماری کانگریس آزادی پسند ترقی کن جماعت ہے۔ آج اگر ہم قوم کی پرانی سائیکالوجی پر مطمئن ہیں۔ جس میں سرمایہ داری بھی ہے، برہمنزم بھی ہے اس صورت میں چھوٹے چھوٹے جھگڑے تو کافی دیر تک ہوتے رہیں گے۔ مگر کسی بڑے انقلاب کا خوف نہیں جو اسلام کو ختم کرنا چاہے لیکن جس صورت میں کانگریس ترقی کرتی ہے اور سوشلسٹ پارٹی بالآخر کمیونسٹ پارٹی پر غلبہ حاصل کرتی ہے تو اس وقت ہمارا اسلامی وجود کانگریس میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔ وہ (پارٹی) مسلمانوں پر خاص ظلم نہ کرے بلکہ ہندو مسلمان سے مساوی برتاؤ کرے اور ممکن ہے کہ ہندو اُسے (پارٹی کو) منظور بھی کرے لیکن میرے جیسے مسلمان کے لیے اسلام کی یہ تخریب کسی طرح خوش آیند نہیں ہو سکتی۔

اس لیئے ایک مفکر کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اُس وقت کانگریس کو چھوڑنے سے بہتر ہے کہ ابھی سے اپنا علیحدہ نظام قائم کریں۔

(ک) لیکن دوسرے ملکوں کے انقلاب کا مطالعہ کرنے کے بعد میری یہ رائے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کامل غور و خوض کے بعد شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی روشنی میں میں نے ہندوستانی مسلمان کے اقتصادی، وسیاسی پروگرام کو اس درجے منظم کر دیا ہے کہ نہ کوئی سوشیلسٹ پارٹی اور نہ کمیونسٹ پارٹی ہمارے اسلام کی اِس پالیسی سے جنگ کرنا ضروری سمجھے گی۔

اس پر اعتماد اس لیے کیا جاسکتا ہے کہ کمیونسٹ انٹرنیشنل ہماری اسکیم ماننے والے مسلمان کے ساتھ لڑنا ضروری نہیں جانتا بلکہ بعض پروفیسر تو جلسوں میں کہتے رہے کہ اگر ایسی مذہبی جماعت منظم ہوتی تو ہم اس کو قبول کر لیتے اور کاشت کاروں کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے بے حد مفید ہوتا۔

(ل) محترم پریزیڈنٹ! میں نے آپ کا بہت سا وقت اپنی سرگزشت سنانے میں لے لیا۔ میرا خیال ہے کہ جب تک کوئی مفکر ہمیں خاص طور پر پہچاننے کی کوشش نہ کرے۔ وہ ہمارے جوابات پر مطمئن نہیں ہوگا۔ آج کل ڈپلومیٹک سیاست میں جھوٹ سچ کا امتیاز نہیں کیا جاتا۔ مگر ہم اپنی مذہبی تعلیمات کے اثر سے ایسے فیصلہ کن مسائل میں جھوٹ بولنا بہت بڑا جرم مانتے ہیں۔ کم از کم اِس قدر صداقت کا لحاظ تو ضروری ہے، جس قدر ایک منصف کے سامنے شہادت دیتے ہوئے تمام انسان سچ بولنا قبول کرتے ہیں۔

(م) اب میں آپ کے سوالات کا جواب لکھتا ہوں:

۱۔ میرا سیاسی عقیدہ یا کریڈ اسلام کی اس تفسیر و شرح میں ہے جو شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفے نے پیش کی ہے۔

چونکہ میں اس سیاسی عقیدے کو انڈین نیشنل کانگریس کی عام پالیسی ۔ مثلاً عدم تشدد وغیرہ، کے اندر کانگریس کی ایک پارٹی بنا کر آخر تک چلا سکتا ہوں۔ اس لیے دوسرے درجے پر انڈین نیشنل کانگریس کریڈ میری کریڈ بن جاتی ہے۔

میرا یقین ہے کہ جس قدر حملے عام مذہبی تحریکوں پر یا خاص اسلامی تحریک پر اس ......[1]

[1] اس خط کے گزشتہ مضمون سے اندازہ کر لیا جاسکتا ہے کہ یہاں پر مولانا سندھی مرحوم نے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(اس صفحے کے بعد کے صفحے پر سوال نمبر ۱ کا آخری اور سوال نمبر ۲ کا ابتدائی حصہ تھا۔ لیکن ذخیرے (پاکستان نیشنل آرکائیوز کراچی) میں یہ صفحہ غائب ہے۔ اس لیے مضمون کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس بات کا افسوس ہے)

...... تحریک سے کوئی خطرہ نہیں۔ بعض ہمارے رفیق جو کابل میں میرے ساتھ کام کر چکے ہیں اور پھر وہ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے تھے، اُن سے شخصی ہمدردی چلی آتی تھی۔ وہ بھی دو چار سال سے ختم ہو گئی۔

اب تو ہم شاہ ولی اللہ کا فلسفہ یا قرآن پڑھانے کے سوا اور کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ مگر دوستوں سے انقطاعی صورت بھی ممکن ہو سکتی ہے، جب ہم ہندوستان پہنچ جائیں باہر رہ کر ایسے معاملات میں قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

(۳) میں بارہا اپنے دوستوں کے سامنے اقرار کر چکا ہوں کہ اگر اس قدر علم اور تجربہ ہمیں اُس حالت میں حاصل ہوتا جب میں ہندوستان میں تھا، تو میں کبھی باہر نہ نکلتا اور نہ کبھی گورنمنٹ کی مخالفت میں حصہ لیتا۔ ہماری قوم دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہے۔ ہم گورنمنٹ کی اجازت بلکہ امداد سے کافی زمانے تک کام کر سکتے ہیں۔ ہمیں جلدی اُس کی مخالفت کی ضرورت نہیں۔

...... (ذخیرے میں محفوظ خط اس مقام پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کے صفحات موجود نہیں۔)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) وضاحت کی ہوگی کہ جوں جوں ملک میں سرمایہ و جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ ہوگا۔ ملک میں صنعت و حرفت کو فروغ ہوگا اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفۂ عمرانیات سے اہلِ ملک آشنا ہوں گے۔ مذہبی تحریکوں کے زور اور مذہب کے نام سے ایک دوسرے پر ظلم و تشدد کا قلع قمع ہو جائے گا (ا۔س۔ش)

۲ے سوال نمبر ۲ کے جواب کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اُس کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سوال کمیونسٹوں سے مولانا سندھی مرحوم کے روابط اور تعلقات کے بارے میں ہوگا۔ یہ بات مولانا سندھی پہلے ہی تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ وہ ایک مذہبی شخصیت ہیں اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کے مطابق اسلامی تعلیم کو اپنا کریڈ مانتے ہیں۔ کمیونسٹ کریڈ کبھی ان کا نظریہ (کریڈ) نہیں بن سکتا۔

یہاں یہ بات مزید واضح کر دی کہ جن حضرات سے زندگی کے کسی دور میں ہم وطنی یا ہم زبانی کی بنیاد پر یا سماجی و معاشرتی دائرے میں تعلقات قائم ہوئے تھے، وہ اُن کا نظریہ بدل جانے سے کیوں منقطع ہو جائیں! خصوصاً پردیس میں اور غریب الوطنی کی حالت میں کسی ہم وطن کا وجود بڑی تسکین کا موجب ہوتا ہے۔ مولاناؒ نے اس امکان کو رد نہیں کیا کہ وطن پہنچ کر مشاغل کا ہجوم، کاموں کا انہماک اور غم گساروں کی کثرت انھیں ایک دوسرے سے دور کر دے اور باہم ملاقاتوں اور مجلس آرائی کے پردیس جیسے مواقع میسر نہ آئیں۔ (ا۔س۔ش)

⑦ علامہ محمد صدیق بہاول پوری

علامہ محمد صدیق صاحب نے مولانا کو لکھا تھا کہ وہ ہجرت کرکے مکہ مکرمہ آنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ کو سیاسی مرکز بنا کے جہاد کی تحریک شروع کی جائے۔ مولانا سے مشورہ طلب کیا تھا کہ اس بارے میں اُن کی رائے کیا ہے؟ حضرت سندھی نے جواب میں یہ فکر انگیز خط تحریر فرمایا۔ القاب سے پہلے ایک سطر میں خط کا عنوان اسی طرح ہے (ا۔س۔ش)

اسلامی سیاست - ہجرت - مرکز - جہاد

عزیز المکرم محمد صدیق زاد مجدہ!

آپ کا مکتوب پہنچا۔ کوائف سے آگاہی ہوئی۔ بالاجمال جواب لکھتا ہوں۔

عاقلاں را اشارہ کافی است — جواب اجمال برائے ازالۂ غلط فہمی

۱۔ خلافت راشدہ کے آخری وقت یعنی حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ کی سیاسی مرکزیت کو ضعف آگیا تھا۔ جس کا انجبار نہیں ہوسکا۔ بنو امیہ کے ابتدائی دور میں عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ معظمہ کو اور بنو عباس کے ابتدائی ایام میں حسنی سادات نے مدینہ منورہ کو مرکز بنانا چاہا، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد کے زمانے میں داخلی اغتشاش کے دور میں اسلامی سیاست کی مرکزیت کا کبھی ذکر نہیں آیا۔

۲۔ خاندان امام ولی اللہ دہلوی کی مذہبی سیاسیات کے پرچے میں پھر ہجرت و جہاد کا ذکر آیا۔ مگر اس جماعت نے اپنا سیاسی مرکز افغانی علاقے بنایا اور ایک وقت تک جہاد کرکے شہید ہوگئی۔

۳۔ اس لیے ہماری رائے میں اگر ہجرت سے مقصد جہاد کی تیاری ہو تو اپنے ملک کے متصل مناسب مقام پر مرکز بنانا چاہیے تاکہ قاتلوا الذین یلونکم من الکفار (ان لوگوں سے جہاد کرو جو تمہیں کفار میں سے نزدیک پڑتے ہیں) پر عمل ہوسکے۔

البتہ اگر کوئی عالم دین اپنی علمی یا ارشادی قوت سے دنیائے اسلام کو بیدار کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے حجاز سے بہتر مرکز کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ہر زمانے میں علمائے دین ہجرت

کر کے حجاز میں تبلیغ کرتے رہے ۔ ہمارے اکابر ولی اللّٰہی میں سے مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اسی ذیل میں شمار ہوتے ہیں ۔

۴۔ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ دین حجاز کی طرف اس طرح لوٹ آئے گا، جیسے سانپ اپنے بل میں آتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علمائے دین ہجرت کرکے اس دارالعلم کو مضبوط بناتے رہیں گے ۔ یہ تحریر حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی بعض تصانیف میں مسطور ہے ۔

۵ ۔ الغرض جہاد کے لیے ہجرت کی جائے، حجاز اس کے لیے موزوں نہیں (یہ ہماری رائے ہے) البتہ کوئی خاص عالم دین اشاعتِ اسلام کے لیے ہجرت کرکے، حکومتِ وقت سے مصالحت کرکے اپنا کام کرے، عوام کے لیے یہ حکم نہیں ہے، تو یہ فرض کفایہ یا مستحب شمار ہوگا ۔

عبیداللہ

(۸) بیت اللہ الحرام ۔ ۵ مئی سنہ ۹۳۸ ہندی

عزیزی المکرم رفیقی المحرم زاد مجدہٗ!

آپ کا خط پہنچا ۔ میں بیمار ہوں ۔ اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے شفا دے ۔ بحمدہٖ تعالیٰ اس حالت میں بھی کام کر رہا ہوں ۔ آپ اطمینان رکھیں ۔ آپ کے لیے کام میں ترقی کی دعا کرتا ہوں ۔ آپ کامیاب رہیں گے ۔ بیمار کے لیے دعا کرتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ اُسے شفایاب کرے گا ۔

جواب جلدی لکھنے کے لیے کاغذ اچھا تلاش نہیں کیا گیا ۔

پروفیسر محمد سرور سے آپ کا تعارف اچھا ہوگیا ۔ سب احباب کو سلام پہنچے ۔ والسلام

عبیداللہ ۔ ۶ اپریل سنہ ۹۴۴ ہندی

قاسم العلوم لاہور

میں جلدی دارالرشاد آنا چاہتا ہوں ۔ مفصل باتیں زبانی ہوں گی ۔

(۹) مولانا غلام رسول مہر (ایڈیٹر انقلاب، لاہور):

۴ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۷ھ ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۳۹ء

مکرمی زید مجدہ! سلام مسنون ۔

ایک سیال کوٹی نومسلم کی انقلابی زندگی کا سادہ خاکہ پہلے انقلاب میں چھپنا چاہیے ۔ اس

لیے آپ کو بھیج رہا ہوں۔ محترم مدیر زمیندار اور احسان جب اس تعلیم کو چھاپ دیں گے تو دونوں طرف سے میرے شکریے کے مستحق ہوں گے۔

شیخ محمد اقبال کی وفات کا صدمہ میں نے ایسا محسوس کیا تھا۔ جیسے عزیز ترین رشتہ دار کی موت کا احساس دماغ پر اثر ہوتا ہے۔ تغمدہ اللہ بغفرانہ واسکنہ بحبوحۃ جنانہ۔

مہر صاحب! آپ سے خدا جانے کیوں قلبی محبت اور روحانی انس ہے۔ خدایا شیخ اقبال کی روح تاثیر آپ میں سب سے زیادہ ہے۔ شوکت علی صاحب میرے محترم محسن تھے مگر ان سے لڑنے کا پورا سامان دماغ میں جمع کرتا رہتا تھا، وہ بھی چل بسے۔ اب کسی سے لڑنے میں مزہ نہیں آئے گا۔ عاملہ اللہ بعفوہ واحسانہ

جبال الصولتیہ۔ بلد اللہ الحرام عبید اللہ

⑩ مولانا احمد علی لاہوری (شیخ التفسیر):

عزیزی سلمہ

آج ہی ایک خط ڈاک میں لکھا۔ حامل رقعہ آپ سے ملنے کے لیے آرہا ہے۔ وہ اپنی تسکین قلب کے لیے آپ سے استفادہ چاہتا ہے۔ اس کے حال پر توجہ کریں۔

تمھاری بیماری عرصۂ دراز سے ہے۔ اگر طبیعت صبر کرسکتی ہے تو اسے مکفر سئیات و ذریعۂ ترقی سمجھیں اور اگر طبیعت عاجز آگئی ہے تو کوئی امر مقرب الی اللہ بطور نذر اپنے نفس پر لازم کر لیں، جیسے یعقوب علیہ السلام نے لحمِ ابل ترک کیا تھا۔ وہ غذا انھیں مرغوب تھی۔ اس کے بجائے وہ فقرا کو کھلاتے اور خود نہ کھاتے تھے۔ اسی طرح اپنے مناسب حال کوئی نذر مقرر کرلیں تو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ مرض دور ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی کتاب کے پڑھانے پر فہم وسیع عطا فرمائے اور استقامت بخشے۔ واللہ ولی التوفیق۔ والسلام

۱۰، اکتوبر ۱۹۴۰؁ء سندھی۔ دین پور عبید اللہ

۱؎ مولانا سندھی مرحوم کا یہ خط ۲۵، فروری ۱۹۳۹؁ء کے انقلاب میں شائع ہوا تھا۔ ۲۶، فروری کے انقلاب میں یہ اعلان چھپا ہے کہ پہلے ہفتہ وار ایڈیشن میں مولانا کے حالات ملاحظہ ہوں۔ مجھے ہفتہ وار ایڈیشن نہیں ملا (اس ش)

(۱۱) مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی (دہلی) :

مولانا سندھی مرحوم کی کتاب "حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی سیاسی تحریک" پر برہان کے تبصرے میں ایک جملے پر تنقید کے جواب میں مصنف نے مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کو وضاحت میں خط تحریر فرمایا۔ واضح رہے کہ جس جملے پر تنقید کی گئی تھی وہ کتاب مذکور کے شارح مولانا نور الحق علوی کے قلم سے تھا۔ برہان دہلی (اپریل ۱۹۴۳ء) میں خط کے ابتدائی حصے، القاب و آداب کو حذف کر دیا گیا تھا۔ (ایس۔ ش)

......

برہان کے نمبر ملے۔ خیال آیا کہ شکریے کے طور پر فقط یہ شعر لکھ دوں۔

اذا رضیت عنی کرام عشیرتی — فلازال غضباناً علیّ لئامہا

اکبر کے متعلق جو کچھ قابل تنقید سمجھا گیا ہے، میں اسے مانتا ہوں۔ یہ ایک غلطی ہے جس کی تصحیح ہونی چاہیے۔ میری عبارت کو یوں پڑھنا چاہیے۔

"سکندر لودی اور شیر شاہ نے جو ہندوستانی تحریک شروع کی اور اکبر نے اسے اپنا مقصدِ حیات بنالیا، وہ اساساً صحیح تھی مگر اسے چلانے والے آدمی میسر نہیں آئے۔ اس لیے غلط راستے پر پڑ گئی۔ امام ولی اللہ کی تعلیم حکمت کے بعد مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا محمد قاسم جیسے عالم پیدا ہوگئے جو انسانیت عامہ کو ایک نقطے پر جمع کر سکتے ہیں اور عقلی دعوت سے سب کو اسلام سمجھا سکتے ہیں، جس سے عقل مندوں کا بڑا حصہ تو مسلمان ہو جائے گا اور ایک طبقہ اگرچہ اسلام قبول نہیں کرتا، مگر وہ اسلام کی انقلابی انٹرنیشنل سیاست کو مان لے گا۔ ان کی حیثیت ذمیوں کی سی ہوگی"۔ مقصد یہی ہے۔ الفاظ کی کوتاہی سے غلطی پیدا ہوگئی۔

جب کہ میں ماسکو کے انٹرنیشنلسٹ طبقے سے یہ عقل مندی کی آواز سن چکا ہوں کہ "اگر امام ولی اللہ کے اصول پر ہندوستانی مسلمانوں کی سوسائٹی ہوتی تو ہم اسلام قبول کر لیتے۔" تو اب اس کے بعد میرے اس یقین میں تزلزل پیدا نہیں ہو سکتا کہ "نیشنل کانگریس میں اگر انقلابی صف مسلمان نہ بھی ہوئی، تب بھی وہ ہماری سیاست کی اطاعت کریں گے۔"

والسلام

(۱۴) مولانا دین محمد وفائیؒ :

مکرمی المحترم ! زیدہ مجدہٗ

سلام مسنون۔ میں پچھلی رات ۲۴ گھنٹے بخار میں مبتلا رہا ہوں۔ ضعف کا غلبہ ہے، ورنہ فوراً آپ سے ملتا۔ میں نے ایک خط سکھر کے پتے پر لکھا ہے، پہنچا ہوگا۔ بحمدہٖ تعالیٰ مرکزی معاملہ جناب پیر صاحب سے اچھی طرح سے صاف ہو رہا ہے۔ ہمیں اپنی تحریک کو کالج اور اُس کے ساتھ کالجیٹ اسکول کی شکل میں بڑھا کر رفقا پیدا کرنے آسان ہوں گے۔ انھیں سے روپیہ ملے گا اور ان کے ہم فکر ہونے پر سیاسی کام شروع ہوگا۔ میں آپ سے ملنے کا محتاج ہوں۔ پروگرام اچھا تو کراچی میں بنے گا، مگر کام ہمیں شکارپور سے شروع کرنا چاہیے۔

مجھے آپ جلدی جواب دیں کہ کس مقام کو آپ پہلے پسند کرتے ہیں۔ والسّلام

عبیداللہ ۱-۵-۹۴۴ ہندی

عکس تحریر مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم

مکرمی المحترم زید مجدہ

سلام مسنون - میں پچھلی رات ۲۴ گھنٹے بخار میں مبتلا رہا ہوں - ضعف کا
غلبہ ہے ورنہ فوراً آپ سے ملتا - میں نے ایک خط سکھر کے پتہ پر لکھا ہے
پہنچا ہوگا - بحمدہ تعالیٰ مرکزی معاملہ جناب پیر صاحب سے اچھی طرح صاف
ہو رہا ہے - ہمیں اپنی تحریک کو کالج اور اس کے ساتھ کالجیٹ سکول کی
شکل میں بڑھا کر رفقاء پیدا کرنے آسان ہونگے -
انہیں سے روپیہ ملے گا - اور انکے ہم فکر ہونے پر سیاسی کام شروع ہوگا
میں آپ سے ملنے کا محتاج ہوں - پروگرام اچھا تو کراچی میں بنے گا - مگر کام
ہمیں شکارپور سے شروع کرنا چاہئے - مجھے آپ جلدی جواب دیں
کہ کس مقام کو آپ پہلے پسند کرتے ہیں والسلام

1/5/944

عبیداللہ سندھی

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی اور محمد امین خان عبید اللّٰہی

جن افکار و شخصیات سے مجھے دلچسپی ہے اور میرے مطالعۂ و فکر کا خاص موضوع رہی ہیں۔ ان میں امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم بھی ہیں۔ مولانا سندھی بڑے بیدار مغز اور روشن خیال عالم دین تھے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار وافادات کے مطالعہ و تدبر، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی تعلیم و تربیت اور عالم اسلام کی تاریخ و تحریکات اور اُن کے اپنے عہد کی بین الاقوامی سیاست کے مطالعہ و مشاہدہ اور اُس پر نظر و تدبر نے اُن کے دماغ اور ان کی بصیرت کو عجوبۂ روزگار بنادیا تھا۔ انہوں نے اسلام کی روح اور امّت کے مزاج کو جس طرح سمجھا تھا ایک دو شخصیات کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد اس عہد میں اُس کی کوئی مثال نہیں تھی۔ وہ عہدِ جدید کی تشکیل کے لیے ایک مستقل فکر رکھتے تھے، وہ فکر جو قرآنِ حکیم کے عمیق مطالعے پر مبنی ہے، جس کی صداقت پر انقلاباتِ عالم نے مہریں ثبت کی ہیں اور مشاہدات و تجربات نے اس پران کے یقین کو عین الیقین بنادیا ہے یہی وہ انقلابی فکر ہے جس پر ہمارے ملک کے نظامِ معیشت و سیاست کی تشکیل کا دارومدار ہے۔

اِس وقت ہمارے ملک میں اسلامی نظام کے مطابق ملک کی آیندہ تعمیر و تشکیل کے لیے زمین ہموار کی جارہی ہے۔ لیکن یہ کوشش ایک خاص دائرے میں ہو رہی ہے۔ اگر کوئی جماعت پوری زندگی میں انقلاب لانے کی مدّعی ہے تو وہ بھی درحقیقت زندگی کی ایک خاص سطح یا دائرے ہی کی بات ہے۔ اُس کے پاس پوری قومی زندگی، اس کے تمام

طبقوں اور تمام سطحوں کے بارے میں کوئی جامع پروگرام نہیں۔ انھیں تو بعض طبقات کی زندگی اور ان کے حقیقی مسائل کا بھی ادراک نہیں۔ درحقیقت وہ خود ایک مخصوص ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں اور اسی پر ملک و قوم کے تمام طبقات کی زندگی کو قیاس کر لیا ہے۔ یہ زندگی بھی ان کی اپنی محنتوں کا ثمرہ نہیں بلکہ سرمایہ و جاگیر دارانہ نظام نے اُن کے لیے فراہم کردی ہے۔ وہ بنیادی طور پر اُسی نظام کے پروردہ اور آلۂ کار ہیں۔ وہ اسلام کا نام لیتے ہیں لیکن سرمایہ دار و جاگیر دار طبقے کے مفاد کے لیے کام کرتے ہیں۔ اُن کا عالم یہ ہے کہ طبقاتی اور گروہی مفاد کے باہر کل قومی زندگی کے لیے کسی جامع پروگرام سے اُن کے ذہن ناآشنا ہیں اور قومی زندگی سے بلند انٹرنیشنل سطح پر اقوام عالم کی رہنمائی کے لیے تو ناقص درجے میں بھی کوئی تصوّر ان کے پاس موجود نہیں۔ وقت کی کسی جماعت کے پاس بھی کوئی ایسا انقلابی تصوّر موجود نہیں ہے جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کو اور انسان کی انفرادی، قومی اور بین الاقوامی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر کمالِ توازن کے ساتھ سمیٹ لے اور زمانے کے تقاضوں کا اُس کے پاس جواب بھی ہو۔ یہ کوششیں خواہ کتنے ہی خلوص کے ساتھ کی جا رہی ہوں، لیکن ان کی تہہ میں مسائل کی بصیرت اور پروگرام کی جامعیت اور اعتدال و توازن کی خوبی کسی میں نہیں۔

ان جماعتوں کے لیے صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی نہیں کہ ان کا دامن مسائل کی بصیرت، فکر کے اعتدال، عمل کے توازن اور پروگرام کی جامعیت سے تہی ہے۔ درحقیقت یہ جماعتیں جن سرمایہ داروں اور جاگیر داروں سے چندہ لیتی ہیں اور جن کا ایثار و انفاق ان کی زندگی کا سر و سامان فراہم کرتا ہے۔ اُنہیں کی آلۂ کار اور انھیں کے مفاد کی محافظ ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ چندے سے چلنے والی کوئی جماعت اپنے کاموں کے لیے کسی سرمایہ و جاگیر دار سے چندہ لے کر کبھی ملک کے عمومی مفاد میں ان کے گروہی و طبقاتی مفاد کو نظر بھی کر دے سکے گی تو یہ اُس کی بھول ہے۔ ان جماعتوں میں فرق صرف یہ ہے کہ کوئی جماعت اسلام کے نام پر چندہ دہندگان کے جذبات کو ایکسپلائٹ کرتی ہے۔ کوئی مزدوروں اور کسانوں کے نام پر اور کوئی کسی خاص قومیت کے لیے خطرے کی دُہائی دے کر

اپنی ضروریات کے لیے سرمایہ اینٹھتی ہے ۔ لیکن سرمایہ دار کے سامنے ہمیشہ اپنا مفاد ہوتا ہے ۔ اگرچہ بہ ظاہر وہ اسلام کے نام پر یا کسی خاص طبقے یا قومیت کے نام پر ایثار و انفاق کا مدعی ہوتا ہے ۔

اِس دور میں ایسی نادر الوجود اور جامع الافادات شخصیت جس کے افکار میں فرد کی زندگی سے لے کر بین الاقوامی سطح تک اسلامی تعلیمات کے مطابق رہنمائی کا صرف تصور ہی نہیں بلکہ کل نوعِ انسانی کی اجتماعی زندگی کی ہر سطح ، ہر دائرے اور ہر طبقے کے لیے ایک جامع پروگرام بھی ہو ، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کے سوا کوئی دوسری نہیں ۔ وہ اِس دور میں علوم و افکار ولی اللّٰہی کے سب سے بڑے محقق اور سب سے بڑے شارح تھے ۔

مولانا عبیداللہ سندھی اِس عہد میں اللہ کے نذیر تھے ۔ انھوں نے دنیا کو بتایا کہ اگر وقت کے مزاج اور حالات کے تقاضوں کو نہ سمجھا اور اپنے فکر اور عمل میں تغیّر پیدا نہ کیا تو زمانے کے انقلاب و حوادث کے ہلاکت خیز ہاتھوں سے نہ تمہاری مسجدیں بچیں گی نہ خانقاہیں ۔ یہ فرسودہ رسوم و روایات اور عہدِ تنزل کی پیداوار تہذیبی و معاشرتی زندگی جو تم نے اسلام کے مقدس نام پر اختیار کر رکھی ہے ۔ سیلابِ حوادث کے تھپیڑوں میں اِس کا سارا تار و پود بکھر جائے گا ۔ زمانہ ایک انقلاب آفریں دور سے گزر رہا ہے ۔ تہذیبی و معاشرتی زندگی کی بوسیدہ اقدار مٹ رہی ہیں ۔ عالم انسانی میں ایک بھونچال آیا ہوا ہے جس کے اثرات ایک ایک قلب اور روح کو احاطہ کرلیں گے ۔ تمہاری رجعت پسندی تمہیں لے ڈوبے گی اور کوئی تمھیں بچانے والا نہ ہوگا ۔ اس کا انتظار نہ کرو کہ اللہ کا حکم آئے اور تمہارے لیے فیصلہ لکھ دیا جائے ۔ اس سے پہلے اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی اور تغیّر پیدا کرلو ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ۝

مولانا عبیداللہ سندھی اس عہد میں اللہ کے بشیر بھی تھے ۔ انھوں نے بتلایا کہ اسلام کوئی رجعت پسندانہ تحریک نہیں ، وہ کوئی خانقاہی نظام نہیں ۔ اسلام

انسان کو اُس کی نجات کے لیے اجتماعی و معاشرتی زندگی ترک کر کے آبادیوں سے جنگلوں میں نکل جانے، اپنی روح پر ظلم کرنے، جسم کو ریاضتوں کی مشقتوں کے حوالے کر دینے اور دوسروں کے کمائے ہوئے ٹکڑوں پر زندگی گزارنے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ اسلام دنیا پر حکمرانی، کرۂ ارض کے لیے امن کی فراہمی، نوعِ انسانی کے لیے سروسامانِ حیات کے اہتمام اور اسے یمین و یسار کے خوف و خطر سے محفوظ کر دینے کے لیے آیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے وقت کا تقاضا یہ نہیں کہ وہ دوسرے مکاتبِ فکر کی چوکھٹوں پر افکار کی گدائی کریں، بلکہ وہ قرآن کے ایک نسخۂ کیمیا کو لے کر اٹھیں اور انسانی زندگی کی ہر سطح پر اور زندگی کے ہر دائرے میں قوموں کی رہنمائی کریں۔ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o

مولانا سندھی جب مسلمانوں کو ایک انقلاب آفریں اقدام کی دعوت دیتے ہیں اور لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کی خوش خبری سُناتے ہیں، تو ان کی آواز کسی اہل مدرسہ یا خانقاہ نشیں کی آواز نہیں ہوتی جس کی جڑیں حلق سے نیچے نہیں ہوتیں بلکہ اُن کی دعوت فکرِ سلیم اور قلبِ سلیم کی دعوت ہوتی ہے۔ ان کی صدائے حق ایک ایسے صاحبِ فکر کی ہوتی ہے، جو اگرچہ صاحبِ وحی اور منصبِ رسالت پر فائز نہیں ہوتا لیکن وہ الصادق والمصدوق علیہ الصلوٰہ والتسلیمات کے حسبِ ارشاد انبیاءے سابقین کا سا ہوتا ہے۔ العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان باتوں پر میں ایک غیر متزلزل ایمان رکھتا تھا اور علم و مطالعہ کی زندگی کی کوئی صبح و شام ایسی نہیں گزری جو اس ایمان و اعتقاد سے خالی ہو، لیکن وقت کی رہنمائی کے لیے ہر زمانے میں قدرت کا دستِ رہنما کسی انسانی پیکر میں نمودار ہوا ہے۔ سنتِ الٰہی ہمیشہ پہلے کسی قلبِ سلیم کو اپنی ہدایت کی امانت کے لیے چن لیتی ہے اور پھر اُس کے وجود کو کسی قوم و ملت کی رہنمائی کا ذریعہ بناتی ہے۔ لیکن وہ شخصیت کون سی تھی اور وہ وجود کہاں تھا جو فکرِ عبیداللّٰہی کا امین ہو، جس نے اِس فکر سے محبت کی ہو اور اپنے پچھلے تمام عقائد و تصورات سے دستبردار ہو گیا ہو، جو اسے پاکر سب کو بھول گیا ہو، جس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ ہو گیا ہو کہ فکرِ عبیداللّٰہی کے مطابق وقت کے تمام سیاسی و معاشی

نقشے ترتیب پائیں، جس کی استقامت کا یہ عالم ہو کہ طوفان اس کی خاطر اپنی راہ بدل دیں، جس کی عزیمت کا یہ حال ہو کہ وہ سیاست کے میدانِ کرب و بلا میں یک و تنہا اپنی فکر کا چراغ جلائے، وقت کی ظلمتوں اور استبداد کے خلاف یمین و یسار سے بے پروا نبرد آزما ہو، جس کے دماغ میں امید کے چراغ فروزاں ہو اور جس کے قلب پر کبھی یاس کی پرچھائیں نہ پڑی ہو۔

سنتِ الٰہی کے خلاف تھا کہ فکرِ حقہ کی جو شمع مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے روشن کی تھی، وہ ان کے وصال کے ساتھ ہی بجھ جاتی۔ بعض اوقات ہم سمجھتے ہیں کہ کتنے ہی پودے تھے جو سطحِ زمین سے مٹ گئے لیکن مبداءِ فیاض اُن کے تخم کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کی حفاظت کا فرض زمین کے سپرد کر دیا جاتا ہے، پھر جب رحمتِ الٰہی کا تقاضا ہوتا ہے، وہ ہواؤں کو اشارہ کرتا ہے اور پانی سے بھرے ہوئے بادل آسمان پر آناً فاناً پھیل جاتے ہیں اور بارش کے پہلے قطرۂ رحمت کے نزول کے ساتھ زمین اپنے خزانے اگلنا شروع کر دیتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک نیا گلستان نگاہوں کے سامنے ایک حسین منظر پیش کرنے لگتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (۴۷:۳۰)	وہ خدا ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہوائیں بادلوں کو اپنی جگہ سے ابھارتی ہیں اور جس طرح اُس کی مرضی نے انتظام کر دیا ہے، بادل آسمان میں پھیل جاتے ہیں۔ پس تم دیکھتے ہو کہ ان کے اندر سے مینہ برسنے لگتا ہے اور تمام زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ پھر جب وہ اپنے بندوں پر جو بارش سے مایوس ہو گئے تھے پانی برسا دیتا ہے تو وہ کامیاب و خرم ہو کر خوشیاں منانے لگتے ہیں۔

عبیداللہی فکر وہ فکرِ الٰہی ہے جو وقت کی رہنمائی اور قوم و ملت کو حیاتِ تازہ

سے ہم کنار کرنے کے لیے عالم ہستی میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ صاحبِ فکر کے وصال کے ساتھ ختم ہو جاتی۔ یہ ہماری کم نگاہی اور بے بصیرتی تھی کہ ہم اس فکر کے امین کو اب تک دیکھ نہ سکے تھے اور یہ ہمارے اپنے پائے طلب کی کمزوری اور ذوقِ جستجو کی کمی تھی کہ ہم اس سرچشمۂ فیض سے دور اور اس کی لذت کوشیوں سے محروم تھے۔ آج ہماری کم نگاہی اور بے بصیرتی نے اپنے پر سمیٹ لیے ہیں۔ ہماری نظروں کے سامنے سے جہالت اور عدم واقفیت کے پردے ہٹ گئے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھ لیا ہے اور ہمارے دل نے ہمارے اِس مشاہدے کی صداقت کی گواہی دی ہے کہ اس دور میں قدرتِ الٰہی نے عبیداللہ سندھی کی انقلاب آفرین فکر کی امانت کو خان محمد امین خان کھوسو کے قلبِ سلیم میں محفوظ کر دیا ہے۔

خان محمد امین خان کھوسو زندگی میں مختلف نشیب و فراز سے گزرے، وہ عقائد و افکار کے مختلف آستانوں پر اقامت گزین ہوئے۔ مطالعہ و نظر کے سفر میں بہت سی منزلیں ان کے سامنے آئیں اور ہر منزل کی دل فریبیاں دامن کشاں تھیں کہ منزل ہے تو یہی اور مقصود ہے تو حیاتِ چند روزہ کی یہی راحتیں اور آسائشیں! پھر کیوں گام فرسائی کی جائے اور راہ کی مشکلات اور آفات کو دعوت دی جائے تو کیوں؟ لیکن قدرت کا مخفی دستِ رہنما آگے ہی کو بڑھاتا رہا تاآں کہ انھوں نے اپنے یوسفِ مقصود کو پا لیا۔ افکار و مطالعہ کی جن منزلوں سے وہ گزرے تھے، ان کے بارے میں وہ شاعرانہ انداز بیان میں کہہ سکتے تھے کہ

مجھے چنداں مقیمِ آستانِ غیر ہونا تھا

اور زندگی کے آخری دور میں وہ جس مقام پر تھے، اس پر انھیں قدرت کی رہنمائی کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

"فکرِ حق سے عشق" کے مقام کی بلندیوں کا ادراک نہیں کیا جا سکتا جب تک صاحبِ فکر سے عشق اپنے کمال کو نہ پہنچ جائے۔ مولانا عبیداللہ سندھی سے ان کے عشق و شیفتگی

کا عالم کچھ نہ پوچھیے وہ کسی شخص کی تمام خطاؤں کو معاف کر سکتے تھے، لیکن مولانا سندھی کی
عظمتوں اور کمالاتِ فکری میں کوئی کسی کو شریک ٹھہرائے، وہ اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے
تھے۔ یہ ان کی بارگاہ میں ناقابلِ عفو معصیت تھی۔

وہ مولانا سندھی کی محبت میں کسی کو شریک کرنے کے روادار نہیں تھے۔ یہی وجہ
ہے کہ فکرِ عبید اللّٰہی سے اُن کی وابستگی اور اس پر ان کا غیر متزلزل یقین تھا۔ وہ اپنی سماجی زندگی میں
بڑے روادار واقع ہوئے تھے۔ لیکن سیاسی فکری رہنمائی میں وہ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم
کے سوا کسی عظمت اور قیادت کے آگے سر جھکانے کو تیار نہ تھے۔ وہ میدان سے ہٹ سکتے تھے لیکن
سیاسی عقائد میں کسی سے مفاہمت کا خیال بھی ان کے نزدیک کم از معصیت نہ تھا۔

جہاں تک ان کے مذہبی عقائد کا تعلق تھا تو وہ اسی مکتبۂ فکر اور اُس کے بزرگوں سے
عقیدت رکھتے تھے جن سے مولانا سندھی کا دینی و روحانی رشتہ تھا۔ وہ دیوبند کے حوالے سے
ولی اللّٰہی تھے۔ اور سیاست میں وہ صرف مولانا سندھی کے متبع تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق
مولانا سندھی اس دور کے امام تھے۔ وہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عظمت
کے قائل و معترف تھے لیکن ان کے فلسفے کی اُس تعبیر و تشریح پر ایمان رکھتے تھے جو مولانا سندھی نے
کی تھی۔

مولانا عبید اللہ سندھی سے انھیں عشق کی حد تک محبت تھی لیکن یہ یک طرفہ نہ تھی۔
مولانا سندھی کو بھی اُن سے اسی قدر تعلقِ خاطر تھا۔ مولانا اُن پر اعتماد فرماتے تھے: انھیں اپنا
کہتے تھے، فرماتے تھے: "خان میرا ہے"، "میرا خان مجھے جانتا ہے"۔ مولانا نے نماز میں انھیں
اپنا امام بنایا اور خود اُن کی اقتدا کی۔ یہ صاف اشارہ تھا کہ خان محمد امین خان کھوسو مستقبل
میں فکرِ عبید اللّٰہی کا امام ہوگا۔

یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے خان محمد امین خان کھوسو کی خدمت میں شرفِ نیاز حاصل ہوا۔
ان کا خلوص، ان کی للّٰہیت، ان کی فدا کاری، حق کے لیے اُن کی استقامت، ان کی سادہ زندگی،
معاشرتی زندگی میں اُن کا کمالِ رواداری لیکن سیاسی و مذہبی عقائد کے باب میں ان کا بے لچک
رویّہ، مولانا سندھی سے ان کی عقیدت، فکرِ عبید اللّٰہی پر ان کا غیر متزلزل یقین اور ان کا اخلاق

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۶ پر)

مولانا عبیداللہ سندھی اور روزنامہ انقلاب لاہور

چند تاریخی تحریریں

روزنامہ انقلاب، لاہور میرے مطالعے میں آیا تو میں نے اس میں سے جو چیزیں نقل کر لی تھیں ان میں مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے بارے میں بعض اداریے، شذرے اور مضامین بھی تھے۔ چونکہ یہ تحریریں مولانا مرحوم کے بارے میں گوناگوں معلومات اور بعض افکار کا خزینہ ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ انھیں مرتب کر دیا جائے خصوصاً مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب کی تحریروں کا شمار تو نوادر علمیہ و ادبیہ میں ہوتا اس لیے ان کی تالیف و ترتیب ایک علمی اور ادبی ضرورت محسوس ہوئی۔

۱۹۱۵ء میں مولانا عبیداللہ سندھی ہندوستان سے روانہ ہوئے تھے، تو ان کا خیال تھا کہ مسلمان اپنی ہی قوت بازو سے ہندوستان کو آزاد کرا دیں گے۔ اس وقت ان کے کاموں کا انداز بالکل مختلف تھا۔ لیکن جب افغانستان میں مختلف مدبرین سے ملاقاتیں کیں تو انھیں اندازہ ہوا کہ ملک کی آزادی کے لیے غیر مسلم قوتوں سے اتحاد اور مشترک جدوجہد بہت ضروری ہے۔ اس وقت سے ملک کی آزادی کے لیے ان کے کام کرنے کا انداز بالکل بدل گیا تھا۔ افغانستان میں آزاد ہندوستان کی عارضی حکومت کے قیام میں ان کی مساعی اور اس میں ان کی شرکت اور کابل میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کی شاخ کا قیام ان کے اسی طرز فکر کے عملی اقدام تھے۔ پھر جب انھوں نے روس، ترکی اور اٹلی وغیرہ کا دورہ کیا، اور بین الاقوامی سطح کے مدبرین سے ملاقاتیں ہوئیں تو تو ان کا یہ خیال اور زیادہ پختہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب ۱۹۳۹ء میں مولانا سندھی ہندوستان واپس تشریف لائے تو ان کی سیاست کی بنیاد ہندو مسلم اتحاد اور دونوں بڑی قوموں کی مشترک جدوجہد پر قائم تھی وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ملک میں فرقہ وارانہ مسئلہ پیدا کر کے تیسری قوت (انگریز) کو فائدہ اٹھانے کا کوئی ادنیٰ موقع دیا جائے۔

مولانا غلام رسول مہر کی صحافت کا یہ وہ دور تھا جس میں وہ مسلم لیگ کی قیادت سے متاثر اور فرقہ وارانہ
…جذبات سے مغلوب تھے اس لیے انھیں مولانا سندھی کے خیالات سے تشویش پیدا ہوئی جس کا اندازہ ان کے
…ر مارچ ۱۹۳۹ء کے لیڈنگ آرٹیکل سے کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مولانا مہر مرحوم کی صحافت کا انداز تو ۱۹۴۶ء کے
…وسط ــــ وزارتی مشن کے منصوبے اور مسلم لیگ کے اسے منظور کر لینے تک وہی رہا۔ لیکن مسلم لیگی قیادت
…ے بارے میں ان کا بنیادی اعتقاد متزلزل ہو گیا تھا اور اس کے باوجود کہ مسلم لیگ نے بعد میں وزراتی مشن
…ی منظوری واپس لے لی تھی، اس کی قیادت پر اعتماد میں جو دراڑ پیدا ہو گئی تھی وہ دور نہ ہو سکی ۱۹۴۷ء
…ں لیگی قیادت کی بصیرت کے مشاہدے، واقعات و حالات کے تجربات، مسلم لیگی حکومت کی نااہلیوں اور لیگی
…لیڈروں کی لوٹ کھسوٹ تو وہ اپنی غلطی کو نہ صرف محسوس کرنے بلکہ اس کا اعتراف کرنے لگے تھے۔

اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا سندھی کے انتقال (۱۹۴۴ء) کے زمانے تک ان کی سیاست اور ارادت
…انداز بدل گیا تھا البتہ اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا سندھی کے بارے میں ان کی غلط فہمی دور ہو گئی تھی
…ور کسی قسم کی کوئی تشویش باقی نہیں رہی تھی۔ وہ مولانا سندھی کو بہت بڑا عالم دین، مدبر، انقلابی، قرآن حکیم کا
…فق اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علوم و معارف میں گہری نظر و بصیرت رکھنے والا شارح اور معلم سمجھتے تھے

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے ۱۹۱۵ء میں افغانستان کا سفر اختیار کیا تھا تو مہر صاحب کی طالب علمی کا
…انہ تھا، لیکن اس کے بعد کے واقعات اور مولانا سندھی کی کارگزاریوں پر ان کی گہری نظر رہی تھی اور جب ۱۹۳۰ء
…ں مہر صاحب نے حجاز کا سفر کیا تھا اور مولانا کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا تھا تو وہ ان سے بہت متاثر ہوئے
…۔ انھوں نے اپنے سفرنامۂ حجاز میں مولانا سندھی مرحوم کا ذکر کئی مقام پر بہت عقیدت اور احترام سے کیا ہے
…ان کے علم و فضل خصوصاً علوم و معارف ولی اللّٰہی میں ان کی نظر و عبور کا اعتراف کیا ہے۔

مولانا رسول مہر کے علاوہ چند دیگر حضرات مثلاً، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، مولوی خدا بخش
…مفتی ضیاء الحسن کی تحریریں ہیں۔ ان سے بھی مولانا سندھی مرحوم کی زندگی، افکار، خدمات اور سیرت
…ے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ان تحریروں کا مطالعہ قارئینِ کرام کے لیے دل چسپی اور افادیت سے
…الی نہیں ہو سکتا۔

۱۲ مئی ۱۹۳۸ء کو انقلاب میں یہ مختصر خبر شائع ہوئی:

"مولانا سندھی کو ہندوستان واپس آنے کی اجازت مل گئی حکومت ہند نے حکومت سندھ کو مطلع کر دیا"۔

۲۔ ۱۵ ر مئی ۱۹۳۸ء کو انقلاب میں لیڈر (اداریہ) شائع ہوا۔

مولانا عبیداللہ سندھی

"حضرت مولانا ۱۲ ر سال سے مکہ معظمہ میں مقیم ہیں اس دوران میں وہ صرف علمی و دینی کاموں میں مشغول رہے ہیں۔ اگر اخبار ہند کی اطلاع درست ہے تو ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ حضرت مولانا جلد سے جلد حجاز مقدس سے اپنے وطن کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور عن قریب ہم آپ کی زیارت سے شاد کام ہو سکیں گے

حضرت مولانا کو فہم قرآن حکیم اور حقائق و معارف دینیہ میں جو عدیم المثال تبحر اور درجۂ اجتہاد حاصل ہے اس کا تقاضا ہے کہ حضرت ممدوح ہندوستان تشریف لانے کے بعد خاص دینی خدمت کے لیے ایک مرکزی ادارہ قائم کرلیں، جہاں دورِ حاضر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دہریت والحاد کی آفتوں سے بچانے اور از سر نو مسلم قانت بنانے کے لیے سلسلۂ دعوت وارشاد جاری کردیں۔ چوں کہ بعض جلیل القدر اہل علم سیاسیات میں بے حد فعّال ہونے کی وجہ سے اصلاح عقائد کے ضروری کام کے لیے وقت نکالنے سے قاصر ہو چکے ہیں اس لیے مسلمانانِ ہند کو حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کی دینی رہنمائی کی اشد ضرورت ہے"۔

۳۔ ۷ ر مارچ ۱۹۳۹ء کو مولانا عبیداللہ سندھی تقریباً چوبیس سال کی جلا وطنی کے بعد وطن واپس پہنچ گئے حضرت مولانا کے وطن واپس تشریف لانے کی تقریب سے ۱۱ ر مارچ ۱۹۳۹ء کو انقلاب نے مندرجۂ ذیل اداریہ شائع کیا؛

مولانا عبیداللہ سندھی

"حضرت مولانا عبیداللہ سندھی طویل مدت کے بعد پھر اپنے وطن میں آپہنچے ہیں۔ جس کی آزادی، خوش حالی بہتری، بہبود کے لیے حضرت مولانا نے اپنے انداز میں بیش بہا قربانیاں پیش کیں ان کی واپسی کے لیے آج سے ۲۰ برس پیشتر جو تحریک، سرگرمی، التزام اور اہتمام کے ساتھ شروع ہوئی تھی، خدا کا شکر ہے کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچی اور آج وہ بزرگ ہستی ہندوستان پہنچ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانائے محترم کا حامی وناصر ہو، انہیں طویل عمر عطا کرے، کامل صحت سے بہرہ ور رکھے اور بہ دستور سابق مرضات کی شاہراہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔

باقی رہا ان کی سیاسیات کا مسئلہ ہم اس کے متعلق سر دست کوئی بحث چھیڑنا نہیں چاہتے بعض اصحاب نے ان کی آمد کو کانگریس کے حق میں اور مسلم لیگ کے خلاف استعمال کرنے کا خاص اہتمام کیا۔ حتیٰ کہ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون کی دعوت قبول نہ کرنے کو بھی لیگ کے خلاف استعمال کیا۔ حالاں کہ یہ دعوت سر عبداللہ ہارون اور مولانا کے قدیم ذاتی تعلقات پر مبنی تھی اور اس کے قبول اور عدم قبول کا معاملہ بالکل معمولی تھا لیکن ہمیں اس باب میں کوئی اضطراب اور پریشانی نہیں، ہم مولانا کو جانتے ہیں۔ ان کی حق پرستی و بے باکی، جرأت و دلیری سے آگاہ ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تعلیمات کے بہترین داعی، بہترین شارح اور بہترین پابند ہیں اور ان کی سیاسیات کا سرچشمہ خالص دینی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ہندوستان کے اندر کچھ مدت گزار کر تمام حالات وکوائف کا پورا مطالعہ فرمائیں اور مختلف دوستوں اور نیازمندوں سے مل کر سب کچھ معلوم کرلیں گے تو انھیں لیگ اور کانگریس کے متعلق صحیح فیصلے میں تامل نہ ہوگا اور خدا کے فضل سے وہ فیصلہ ملتِ اسلامیہ کے لیے مسرت کا باعث ہوگا

لیکن اگر خدانخواستہ یہ فیصلہ مسرت کا باعث نہ ہوا تو اس حالت میں بھی لیگ اور وابستگانِ لیگ یا بہ الفاظِ واضح تر ملتِ اسلامیہ کے لیے تشویش کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

حضرت مولانا عبیداللہ ایک انسان ہیں، ان کی ذاتی عظمت و شخصیت مسلّم، ان کی ذاتی قربانیاں قابلِ صد احترام، لیکن ملت کی فلاح کے مقابلے میں افراد کی حیثیت بالکل ہیچ ہوتی ہے اس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ چند دوسرے افراد میں سے جو دانستہ یا نادانستہ سالہا سال سے ملت کے مقاصد کے خلاف کام کرتے رہے ہیں، مولانا کا بھی اضافہ ہو جائے۔ لیکن لیگ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے مولانا کے کسی غیر مناسب فیصلے کی بنا پر ملت اسلامیہ کو معزز و سربلند کرنے کا راستہ بند نہیں ہو جائے گا۔

ہم مولانائے محترم کے منتظر ہیں کہ وہ لاہور آ جائیں گے تو ہم ان کی باتیں سنیں گے اور ہم اپنی داستان سنائیں گے ہمیں امید ہے کہ مولانا کا آخری فیصلہ باعث مسرت ہوگا لیکن مفصل مذاکرات کے بغیر ان کے متعلق کسی متفرق اطلاع کی بنا پر عاجلانہ نکتہ چینی کے لیے تیار نہیں ہو سکتے ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ مولانا بھی سارے امور کے متعلق براہ راست پوری معلومات بہم پہنچائے بغیر کوئی ایسی بات نہیں فرمائیں گے جو ان کے ہزاروں نیاز مندوں کے لیے خواہ مخواہ باعثِ تشویش ہو۔

۴. اوپر کے اداریے میں سر عبداللہ ہارون کی دعوت کو رد کر دیے جانے کا ذکر آیا ہے، اس واقعہ کی حقیقت کیا تھی اور غلط فہمی کیونکر پیدا ہوئی اس سلسلے میں (شیخ التفسیر) مولانا احمد علی لاہوری کا ایک مضمون ۱۸ مارچ ۱۹۳۹ء کے انقلاب میں (صفحہ ۳) شائع ہوا تھا۔ اس سے دعوت سے انکار کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ نوائے وقت کا اداریہ یہ ہے:

مولانا عبیداللہ سندھی اور لیگ کی دعوت

ایک افسوسناک غلط فہمی کا ازالہ

مولانا ممدوح کے ساحل کراچی پر اترنے کے بعد سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کا دعوتِ قیام دینا اور مولانا کا انکار کرنا کسی نامہ نگار کے ذریعے سے اخبارات میں درج ہو چکا ہے اخبارات نے اس دعوت اور مولانا کے انکار کو کانگریس اور لیگ کے نقطہ نگاہ سے دیکھا ہے اور ہر ایک اپنے خیال کے مطابق اپنے مقالوں میں تبصرہ کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ سرے سے غلط ہے

برادرانِ اسلام کی واقفیت کے لیے اصل واقعہ عرض کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ مولانا ممدوح کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ حضرت مولانا ممدوح کے استقبال کے لیے میں ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو ساحل کراچی پر موجود تھا۔ مولانا کو ساحل کراچی پر اترنے سے پہلے مکہ معظمہ ہی میں حضرت مولانا محمد صادق صاحب صدر جمعیت علمائے سندھ نے اپنے ہاں قیام کی دعوت دی تھی اور ساتھ ہی اس کے شیخ عبدالمجید صاحب سیکریٹری مسلم لیگ نے بھی مولانا کے ہاں دعوت نامہ مکہ معظمہ ہی کے زمانہ قیام میں ارسال فرما دیا تھا کہ آپ جب کراچی تشریف لائیں تو میرے ہاں قیام فرمائیں۔

مولانا نے مکہ معظمہ ہی سے مولانا محمد صادق کے نام گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا کہ اگرچہ شیخ عبدالمجید صاحب نے مجھے اپنے ہاں قیام کی دعوت دی ہے، مگر چونکہ آپ میرے استاد بھائی ہیں اس لیے میں آپ ہی کے ہاں قیام کروں گا۔ چنانچہ یہ خط بذریعہ ہوائی ڈاک مولانا محمد صادق صاحب کو مولانا عبیداللہ صاحب کے کراچی تشریف لانے سے ایک دن پہلے ۶ مارچ ۱۹۳۹ء کو موصول ہوا۔ مولانا محمد صادق نے میرے سامنے وہ خط شیخ عبدالمجید صاحب کے ہاں ملاحظہ کے لیے ارسال فرمایا۔ شیخ صاحب نے اس خط کو دیکھ کر فرمایا کہ مولانا محمد صادق کا گھر بھی ہمارا اپنا ہی ہے اس لیے مجھے وہاں ان کے قیام پر کوئی اعتراض نہیں ہے

لہذا یہ غلط ہے کہ سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب نے مولانا کو جہاز سے اترنے کے بعد دعوت دی اور آپ نے انکار فرمایا۔ بلکہ جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون تو اس وقت بندرگاہ پر موجود ہی نہ تھے (سیٹھ صاحب کی طرف سے دعوت نامہ بہت پہلے جا چکا تھا۔ مولانا کی تشریف آوری کے وقت سیٹھ صاحب کراچی میں موجود نہ تھے، بلکہ اسمبلی کے اجلاس کے لیے دہلی میں تشریف فرما تھے۔ انقلاب) البتہ شیخ عبدالمجید صاحب سیکریٹری مسلم لیگ (صوبہ سندھ) وہاں موجود تھے اور بندرگاہ سے جب مولانا ممدوح اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے جو کہ مولانا محمد صادق صاحب نے ان کے لیے اپنے ہاں تجویز کی ہوئی تھی، تو وہاں شیخ عبدالمجید صاحب اُسی وقت پہنچ گئے۔ اس وقت ہندو مسلمانوں کا ایک مجمع کثیر مولانا کے گرد جمع تھا۔ اس میں مولانا نے یہ فرمایا کہ میں کانگریسی ہوں اور ہمیشہ کانگریس ہی کے ساتھ مل کر کام کروں گا۔ البتہ جن مسلمانوں کے ساتھ میرے خاص تعلقات پہلے سے چلے آرہے ہیں، ان کے ساتھ میرے تعلقات ویسے ہی رہیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد اُسی دن مولانا نے سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کے مکان پر جانے کا ارادہ کیا۔ بعض دوستوں نے مولانا سے عرض کیا کہ سیٹھ صاحب آج کل یہاں نہیں ہیں۔ مولانا نے فرمایا: "پھر بھی میں اپنی دوستی کا فرض ادا کرنے کے لیے ان کے مکان پر ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ مولانا گئے اور بیگم صاحبہ سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون نے مولانا کی تشریف آوری کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا اور مولانا کے ہاں سیٹھ صاحب کی طرف سے روزانہ موٹر بھجواتی رہیں تاکہ مولانا صاحب جہاں کہیں تشریف لے جانا چاہیں وہ اُن کی موٹر پر سوار ہو کر جائیں۔

اس واقعے سے ہر سلیم الفطرت انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ مولانا کے تعلقات سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب کے ساتھ کیسے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ مولانا نے لیگ والوں کی دعوت کو قبول نہیں فرمایا اور کانگریسیوں کے ہاں قیام فرمایا۔ اس الزام کا جواب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی صاحب کے اُس خط میں موجود ہے جو انھوں نے مولانا محمد صادق صاحب کو مکہ معظمہ سے لکھا تھا، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ مولانا نے اُن کے ہاں استاد بھائی ہونے کی وجہ سے قیام فرمایا ہے۔

احقر الانام
احمد علی عفی عنہ

۵. اس مسئلے پر مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب، نے اداریہ بھی تحریر فرمایا تھا جو انقلاب کی اسی اشاعت میں اور اسی صفحہ پر (۱۸ مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۳) درج ہے، اداریہ یہ ہے:

مولانا عبیداللہ سندھی اور سرعبداللہ ہارون

مولانا عبیداللہ سندھی کراچی پہنچے تو ایک پیغام میں بتایا گیا تھا کہ انھوں نے سرعبداللہ ہارون کی دعوت مسترد کر دی اور ایک کانگریسی کی دعوت قبول کر لی ۔ اس واقعے کو لیگ کی تذلیل کا ذریعہ بنایا گیا۔ لیکن اب مولانا احمد علی صاحب نے ایک مکتوب کے ذریعے سے واضح فرما دیا ہے کہ مولانا عبیداللہ کو ان کے متعدد سندھی دوستوں نے اپنے ہاں قیام کی دعوت دی تھی لیکن مولانا نے اپنے ایک دوست و بھائی (مولانا محمد صادق) کی دعوت قبول کی اس لیے نہیں کہ وہ کانگریسی تھے، بلکہ اس لیے کہ وہ مولانا کے استاد بھائی تھے۔ گویا دعوت قیام کے قبول اور عدم قبول کو مولانا کے سیاسی افکار سے کوئی تعلق نہ تھا۔ سرعبداللہ ہارون اگرچہ مولانا کی تشریف آوری کے موقع پر کراچی میں موجود نہ تھے وہ اسمبلی کے اجلاس کے لیے دہلی گئے ہوئے تھے لیکن مولانا اپنے دیرینہ تعلقات کی بنا پر سرعبداللہ ہارون کے گھر تشریف لے گئے جہاں بیگم صاحبہ سر عبداللہ ہارون نے ان کی انتہائی تواضع کی۔ بیگم صاحبہ کے حکم کے مطابق سیٹھ صاحب کی موٹر روزانہ مولانا کی قیام گاہ پر پہنچتی رہی، تاکہ وہ جہاں کہیں آنا جانا چاہیں انہی کی موٹر استعمال کریں مولانا احمد علی صاحب فرماتے ہیں

” اس واقعے سے ہر سلیم الفطرت انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ مولانا کے تعلقات سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کے ساتھ کیسے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ مولانا نے لیگ والوں کی دعوت کو قبول نہیں فرمایا اور کانگریسیوں کے ہاں قیام فرمایا؟

واقعہ یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ نے مولانا محمد صادق صاحب کے ہاں صرف استاد بھائی ہونے کی وجہ سے قیام فرمایا۔“

۶۔ ۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء کو مولانا عبیداللہ سندھی کراچی سے لاہور پہنچے اس موقع پر انقلاب نے ان کی آمد کی خوشی میں مندرجہ ذیل نوٹ شائع فرمایا۔ یہ نوٹ مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب کے قلم سے ہے ۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی لاہور میں

”اے آمدنت باعث آبادیِ ما

لاہور۔ ۲۳ مارچ ۳۹ء کی شام کے چھ بجے کراچی میل سے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی نے چوتھائی صدی کے

بعد لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر ہزارہا زندان توحید کو شرف زیارت بخشا۔ تکبیر کے نعروں سے ریلوے اسٹیشن گونج اٹھا، احرار اور خاکسار کے باوردی رضاکاروں کے جیش حاضر تھے انھوں نے استقبال کیا اور بینڈ باجوں کے نغموں سے اس مجمع میں عجیب کیفیت کا عالم پیدا ہوگیا۔

معززین میں کانگریسی، مسلم لیگی، احراری، خاکسار، علماء، غرض ہر طبقے کے حضرات موجود تھے حضرت مولانا شائقین زیارت کے ہجوم میں سے بڑی مشکل سے ریلوے اسٹیشن کے باہر پہنچے اور میدان میں اجتماع عوام کے سامنے ایک مختصر تقریر فرمائی اس کے بعد موٹر کار میں سوار ہوکر مولانا احمد علی ناظم انجمن خدام الدین کے دولت کدے پر تشریف لے گئے جہاں آپ قیام فرما ہیں۔

ہر طبقے اور عقیدے کے لوگ حضرت مولانا سے تبادلۂ خیالات کرنے کے لیے حاضر ہو رہے ہیں۔ غالباً مولانا ۲۴ یا ۲۵ مارچ کو لاہور سے تشریف لے جائیں گے۔

مدیران انقلاب کو حضرت مولانا کی خدمت گرامی میں خصوصی نیازمندی کا شرف حاصل ہے۔ اسٹیشن پر بھی حاضر ہوئے تھے، لیکن ہجوم کی کثرت کے باعث ملاقات نہ ہوسکی تھی۔ آج کام سے فارغ ہوکر حضرت مولانا کے پاس جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ خود حضرت نے ازراہ شفقت و محبت مدیران انقلاب کے غریب خانوں کو اپنے قدوم سے مشرف فرمایا اور دو گھنٹے تک وہاں تشریف فرما رہے۔

حضرت کا آئندہ پروگرام ابھی تک طے نہیں ہوا۔ لیکن خیال ہے کہ ایک دن کے لیے دیوبند ہوتے ہوئے دہلی تشریف لے جائیں گے دہلی سے یکم اپریل تک کراچی پہنچیں گے۔ جہاں بعض ضروری کام درپیش ہیں۔ اب کے لاہور میں مولانا کا قیام بہت قلیل مدت کے لیے ہے، لیکن کراچی میں ضروری کاموں سے فارغ ہوکر وہ زیادہ وقت کے لیے لاہور تشریف لائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ع

ہزار بار برو صد ہزار بار بیا"

۷۔ مولانا عبیداللہ سندھی کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت اور کانگریس سے مل کر تحریک آزادی میں حصہ لینے کو بہت ضروری سمجھتے تھے اور ہندو مسلم اتحاد بھی مولانا مسلمانوں اور اسلام کے مفاد کے نقطۂ نظر سے ناگزیر خیال فرماتے تھے۔ ان خیالات کا اظہار وہ اپنی پبلک تقریروں اور نجی محفلوں میں برابر کرتے تھے یہی زمانہ تھا کہ مسلم لیگ کے اصاغر واکابر نے ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے آٹھ صوبوں میں قائم کانگریس کی حکومتوں کے خلاف ایک سخت ہنگامہ برپا کر رکھا تھا اور اسلام پر کفر کی یلغار اور اس کے مقابلے اور مزاحمت کو اسلامی فریضہ

جہاد قرار دیتے تھے اور جنگ کے مسئلے پر برٹش حکومت سے تعاون کی پیش کش میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے اور اپنی وفاداری ثابت کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ مولانا غلام رسول مہر کا یہ دور مسلم لیگ سے اتفاق و تعاون میں انتہا کی حد کو پہنچا ہوا تھا۔ مولانا مہر مرحوم لیگ کے مؤید تھے۔ اور مولانا سندھی مرحوم سے بھی اخلاص و عقیدت کا رشتہ رکھتے تھے۔ اس لیے فطری بات تھی کہ انھیں مولانا سندھی کے خیالات سے تشویش ہو یہ بعد کی بات ہے کہ وہ مسلم لیگ کی پالیسی اور اس کے رہنماؤں کے رویے سے مایوس ہوئے۔

زیر نظر مضمون مولانا مہر صاحب نے ۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء کے انقلاب میں (صفحہ ۳) پر طور لیڈنگ آرٹیکل شائع کیا تھا اس میں مولانا مہر مرحوم کی تشویش کا صاف اظہار موجود ہے، آرٹیکل یہ ہے:

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

بیا کہ بے تو غم از خاطرم بدر نہ رود
وداع از دل و ہجرانم از نظر نہ رود

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کراچی سے آتے ہوئے لاہور آچکے ہیں اور ان سطور کے شائع ہونے تک شاید وہ دیوبند اور دہلی تشریف لے جائیں گے جہاں سے انھیں یکم اپریل تک کراچی پہنچنا ہے ہم ان کی خدمت میں دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سرزمین وطن میں ان کی اس تشریف آوری کو ہر اعتبار سے ملت اور قوم کے لیے بابرکت بنائے اور جن یگانہ خصوصیاتِ علم و عمل نے انھیں نہ محض ہندوستان میں بلکہ بیرون ہند کے اکثر دوائر میں بھی محترم و معزز بنایا ہے وہ خصوصیات یہاں بہتر سے بہتر اغراض کے لیے استعمال ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس محترم وجود کی لطف پرور صحبت کا ایک ایک لمحہ حرم پاک میں راقم الحروف کے لیے زندگی کا گراں بہا سرمایہ تھا اور ہندوستان میں اس محترم وجود کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے اسباب آج سے آٹھ نو برس پیشتر بہ ظاہر بالکل مفقود نظر آتے تھے، آج وہ وجود ہمارے درمیان پہنچ گیا ہے۔ زندگی کی یہ بھی عزیز ترین آرزو تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ پوری ہو گئی۔

ارکانِ بزم:

ہم ابھی طالب علمی کی بے فکر اور فارغ البال زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب حضرت مولانا کے

وہ دردمند دل سے قوم و ملت کی سربلندی کے عشق میں بلا لحاظ خاطر گوناگوں مصیبتوں اور پریشانیوں سے بچاتی اور وطن عزیز سے غیر معین مدت کے لیے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ حالانکہ خود ان دردمند دل رفیقوں اور بہی خواہوں کے ایک کثیر حلقے کے علاوہ ان کا وجود عزیز داری کے تعلقات میں بھی محصور تھا اور ضروریات مقاصد کے لیے مجبوریت کے گوناگوں رشتوں کا انقطاع یا ان سے کال بے پروائی ہر انسان کا کام نہیں۔

جس مجلس علم و عمل سے اٹھ کر وہ بے تابانہ باہر نکل گئے۔ آج اس کے اکثر ارکان اپنے مالک حقیقی کے دربار میں پہنچ چکے ہیں۔ آج حضرت شیخ الہند، مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور حضرت علامہ اقبال (رحمہم اللہ تعالیٰ) اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ جو مولانا کی مراجعت پر خیر مقدم کہتے اور ان کے ساتھ مساوی حیثیت میں گفتگو کرنے کے حقیقی اہل تھے۔ ہماری بابرکت مجلس کے اکثر اکابر رخصت ہو گئے۔ اب تو زیادہ تر ہمارے جیسے عامی باقی رہ گئے ہیں لیکن ہمیں حضرت علامہ اقبال کی زبان میں مولانا سے محترم سے یہ عرض کرتے ہوئے تامل نہیں ہونا چاہیے کہ ؎

یا یک لحظہ با عاماں درآمیز   کہ خاصاں بادہ خوردند و رفتند

آئندہ پروگرام:

مولانا کو ہندوستان پہنچے ہوئے تقریباً دو ہفتے گزر چکے ہیں۔ وہ اپنی بے وطنی کے کسی دور میں بھی اس سرزمین کے حالات سے ناواقف نہیں تھے اور گزشتہ بارہ تیرہ برس کی مدت میں تو انھیں سب کچھ معلوم ہوتا رہا جو ہندوستان سے باہر بیٹھا ہوا کوئی شخص اخبارات سے یا مختلف افراد سے معلوم کر سکتا ہے لیکن یہ عرض کرنے کی غالباً ضرورت نہیں کہ ان میں سے کوئی ذریعہ معلومات بھی ہندوستان سے باہر بیٹھے ہوا انسان کے لیے ہر اعتبار سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور جن لوگوں کو بڑی بڑی جماعتوں اور گروہوں کے لیے عمل کے پروگرام تیار کرنا ہے اور ان پروگراموں پر عمل کرانا ہے، ان کے لیے محولہ بالا وسائل معلومات کافی نہیں سمجھے جا سکتے۔ ضروری ہے کہ حضرت مولانا کو دائرہ عمل میں بیٹھ کر براہِ راست اور بلا واسطہ سارے حالات جاننے کا موقع ملے اس لیے تھوڑا سا وقت درکار ہے ہمیں یقین ہے کہ اس کے بعد ان کا کوئی فیصلہ مسلمانانِ ہند کے لیے باعث تشویش نہ ہوگا بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کی فلاح و بہبود اور آزادی کا ہر مخلص آرزومند اور نیک نیت ساتھی خواہ وہ کسی قوم اور گروہ سے تعلق رکھتا ہو، اس فیصلے کے خیر مقدم میں تامل نہیں کر سکتا۔

نکتہ چینی میں جلدی نہ کرو:

حضرت مولانا کی جو تقریریں اور بیانات اس وقت تک اخباروں میں شائع ہوئے ہیں ہمیں ایک لمحے کے توقف کے بغیر کہہ دینا چاہیے کہ وہ ہمارے لیے خوشی کا سامان نہ تھے۔ لیکن ہم ان پر ابھی تک جرح و نقد کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مولانا کے سیاسی و دینی معتقدات کے اصول و اساسات سے ہمیں جو اپنی بساط کے مطابق کافی آگاہی حاصل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ اصول و اساسات بدل نہیں سکتے۔ اس لیے کہ ان کا مبنیٰ عام انسانی خیالات و افکار نہیں ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت مولانا کو اطمینان کے ساتھ یہاں کی تمام تحریکات اور ان کے کارکنوں کا بلا واسطہ مطالعہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ تو ان کی زبانِ مبارک پر کبھی ایسے الفاظ نہیں آئیں گے، جو آج مخلص نیاز مندوں کے لیے باعث تشویش بن سکتے ہیں۔ لہذا سب سے ہماری استدعا ہے کہ وہ انتظار کریں اور نکتہ چینی میں عجلت نہ کریں بلکہ مولانا کو اطمینان سے بیٹھ کر سب کچھ دیکھنے اور پروگرام مرتب کرنے کا موقع دیں۔ ان کی ساری سیاسی زندگی کی اصل و اساس دین ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے بے باکی اور حق گوئی کی دولت سے یہ درجۂ اعلیٰ سرفرازی بخشی ہے۔ ایسے بزرگ کے کسی کلمے کو جو یہاں کے احوال سے براہِ راست پوری معلومات میسر نہ ہونے پر محمول ہو سکتا ہے، سرمایۂ تشویش نہیں بنانا چاہیے۔

ملت پر ہر چیز مقدم ہے:

لیکن اگر خدا نخواستہ سارے حالات کے گہرے مطالعے کے بعد بھی حضرت مولانا کا فیصلہ وہ نہ ہو جو ہماری ناچیز رائے کے مطابق ہونا چاہیے تو پھر ہمارا راستہ بالکل صاف اور واضح ہے کہ شخصیتوں کے زیادہ سے زیادہ احترام کے باوجود ہم انھیں اصول و اساس پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ کوئی شخصیت خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، لیکن اس کی خاطر قوم کی فلاح و بہبود اور مستقبل کو قربان نہیں کر سکتا اس صورت میں ہمارا کام یہ ہوگا کہ مولانا سے علی الاعلان اختلاف کریں۔ اس لیے کہ ہمارا رشتہ مولانا سے خون کا نہیں، جسم کا نہیں بلکہ محض حق پرستی، سچائی اور ملت دوستی کا ہے ان کی عظمت اس میں نہیں کہ وہ ایک خاص قد اور خاص وضع کے انسان ہیں بلکہ ان کی عظمت، ان کے ایثار، قربانی، بے باکی اور ملت دوستی پر مبنی ہے۔

عرضِ نیاز:

ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ گذارشات حضرت مولانا کی خدمت میں، نیز اپنے اُن ہزاروں بھائیوں اور رفیقوں

کی خدمت میں پہنچا دیں جو مولانا کی بعض تقریروں اور بیانات سے متاثر ہو کر اپنی تشویش مکاتیب کے ذریعے سے یا شخصاً ہمارے پہنچا رہے ہیں۔

آخر میں ہم مولانا کی خدمت میں ادب کے ساتھ دوبارہ ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ انھیں طویل عمر عطا ہو، ان کا وجود مبارک ہمیشہ اسلامیت کے لیے باعثِ فخر رہا ہے۔ خدا کرے کہ ہندوستان کے مسلمان اور دوسری قومیں ان کی ذات گرامی سے بوجہ احسن مستفید ہوں۔

باقی رہے ہم تو ہماری التجا حضرت کی خدمت میں محض یہ ہے کہ:

بر آستانہ ہر رہے می نما نظیری را

کہ قدرِ مجلسِ خاصاں بہ ایں قدر نہ رود"

۸۔ ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو دین پور میں مولانا کا انتقال ہو گیا اس موقع پر انقلاب لاہور کی اشاعت مورخہ ۲۵ اگست میں مولانا سندھی کے شاگرد مولوی خدا بخش (سکریٹری بیت الحکمت، بازار ڈوگراں، لاہور) کا ایک مختصر تعارفی مضمون شائع ہوا، مضمون یہ ہے:

مولانا عبیداللہ سندھی کا انتقال

"لاہور، ۲۲ اگست۔ آج صبح بیت الحکمت لاہور میں ایک تار موصول ہوا کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبیداللہ سندھی ہندوستان کے نامور انقلابیوں میں سے تھے۔ آپ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو ضلع سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے، سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ دیوبند میں تعلیم کی تکمیل کی اور رفتہ رفتہ دیوبندی تحریک کے سب سے بڑے علم بردار شیخ الہند مولانا محمود حسن کی جماعت میں شامل ہوئے اور ان کے حکم سے ۱۹۱۵ء میں کابل گئے، جہاں افغانستان کے انقلاب میں براہ راست حصہ لیا اور امیر امان اللہ خان کی حکومت کی رہنمائی کرتے رہے۔ سات سال قیام کرنے کے بعد وہاں سے ماسکو گئے۔ جہاں آپ نے روس کے سوشلسٹ انقلاب کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کیا اور سنٹرل پارٹی کے اوپر کے طبقے کے لوگوں سے سات ماہ تک تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ چار سال تک کمالی ترکی میں مقیم رہے اور ترکی انقلاب کا قریب مقام سے مشاہدہ و مطالعہ کیا۔ قدرت سے طبیعت دقیقہ رس

پائی تھی۔ اس لیے بہت جلد نتائج کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ ترکی سے آپ حجاز تشریف لے گئے اور وہاں بارہ سال کے قیام کے بعد مارچ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان تشریف لائے۔

حضرت مولانا کی وفات سے ہندوستان کا ایک گوہر گراں مایہ کھو گیا ہے جس کا بدل مشکل سے دستیاب ہوگا۔ لیکن خدا کا فضل ہے کہ ان کی تعلیمات اب منضبط کی جا چکی ہیں اور ان کا پورا پورا پروگرام ان شاء اللہ جاری رہے گا۔"

۹۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے انتقال کا ہندو مسلم اخبارات نے زبردست ماتم کیا، اداریے لکھے، مضمون شائع کیے اور مختلف سیاسی، سماجی، انجمنوں اور دینی مدرسوں نے اپنے خصوصی اجلاسوں میں تعزیت کی قراردادیں پاس کیں۔ یہاں مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب کا وہ مضمون پیش کیا جاتا ہے جو انھوں نے بطور لیڈنگ آرٹیکل انقلاب کے ۲۷ راگست کے شمارے میں شائع کیا تھا:

مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم ومغفور

"عمرہا چرخ بہ گردد کہ جگر سوختہ
چوں من از دودۂ آتش نفساں برخیزد"

مولانا عبیداللہ سندھی ہمیں داغ مفارقت دے کر اُس قافلے میں جا ملے جو عملی زندگی کے ابتدائی دور میں ان کے محترم استاد اور محبوب رفقا پر مشتمل تھا، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر (مختار احمد) انصاری، مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی رحمہم اللہ تعالیٰ، اور ایک ایسی جگہ خالی کر گئے جسے علما یا سیاسیین کے طبقے میں سے کوئی پُر نہیں کر سکتا وہ جلا وطنی کی طویل مدت کو ختم کر کے جب سے ہندوستان آئے تھے، مختلف لوگوں نے مختلف امور میں ان سے اختلاف کیا، کسی نے تعلیمات ولی اللّٰہی کے اس خاکے پر اعتراض کیا، جسے مرحوم سیاسیات و اقتصادیات میں اپنی پارٹی کے مخصوص پروگرام کے طور پر پیش کیا کرتے تھے، بعض لوگوں نے سمجھا کہ مولانا کے سامنے کوئی معین چیز نہیں، ان کا دماغ مختلف اوقات میں مختلف تحریکات سے متاثر ہوا اور ان تمام تاثرات کے مجموعے نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی ہے جس پر کوئی گروہ عمل پیرا نہیں ہو سکتا، بعض اصحاب کو یہ نہایت افسوسناک غلط فہمی ہو گئی کہ مولانائے مرحوم خدانخواستہ دیر تک غربت کی تکلیفیں اٹھانے کے بعد کمزور ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان کی سیاسیات میں بھی ایک گونہ کمزوری آگئی ہے؛ یعنی وہ آزادی ہند کے ایسے سرگرم مجاہد نہیں رہے جیسے کہ وہ ۱۹۱۵ء میں تھے

لیکن جن لوگوں کو مولانا کے ساتھ مفصل گفتگوؤں کا موقع ملا ہے۔ وہ گواہی دیں گے کہ مرحوم آخری دم تک ویسے ہی وطنی و اسلامی مجاہد تھے جیسے کہ ہندوستان سے قدم باہر نکالنے کے وقت تھے البتہ یہ درست ہے کہ وہ کسی پروگرام کو بت بنا کر ہمیشہ کے لیے اس کی ایک ایک شق کی پوجا کے قائل نہ تھے۔ بدلے ہوئے حالات میں انھوں نے اپنے مقاصد کی پیش رفت کے لیے نیا پروگرام بنایا تھا جس کے متعلق سطحی معلومات پر قناعت کرنے والے غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے رہے۔

جس پروگرام کو مرحوم، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے منسوب فرماتے تھے۔ اس کی تفصیلات میں اختلاف ہو سکتا ہے، یعنی یہ ممکن ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک مولانا کے تمام انتسابات درست نہ ہوں۔ لیکن خود مولانا جب شاہ صاحب مرحوم و مغفور کی تصانیف سامنے رکھ کر ایک ایک شق کی تائید میں اقتباسات پیش کیا کرتے تھے تو ان کے دعاوی بہت ہی پختہ اور محکم معلوم ہوتے تھے۔ کم از کم شاہ صاحب کی تصانیف پر عبور اور دقتِ نظر کے ساتھ اس کے مطالعے کی ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ جیسے کہ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم و مغفور رکھتے تھے۔

پھر اُن کی ملوہیت، شانِ ایثار، راہ حق میں دنیوی مالوفات کی ہر شے سے بے پروائی، یہ ایسی خصوصیات ہیں جو بڑے بڑے قائدوں اور رہنماؤں میں بھی شاذ ملتی ہیں۔ تکالیف کے ہجوم میں بھی ان کے چہرۂ مبارک پر تبسم اس طرح رقصاں رہتا تھا کہ دیکھنے والے کو وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مولانا پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔

سچے قائد کی طرح وہ اپنے رفیقوں پر بے حد شفیق تھے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی فرد یا جماعت یا سلطنت کے ممنون نہیں ہوئے ان کی زندگی میں ایسے وقت بھی آئے، جب بڑے بڑے خزانے صرف اُن کے اشارے کے تابع تھے لیکن انھوں نے اپنی ذات کے لیے کبھی کچھ نہ لیا۔ البتہ پیش نظر کام کے سلسلے میں اپنے رفیقوں کی راحت کے لیے وہ ہمیشہ مضطرب رہتے تھے۔

قرآن حکیم کے حقائق پر بڑی وسیع نظر تھی۔ جب کبھی کسی آیت کے متعلق کوئی اُلجھن ان کے سامنے پیش کی جاتی تو بے توقف نہایت سادہ اور سہل انداز میں اس کا ہر پہلو اذعان افروز طریق پر واضح فرما دیتے، ان کی زبان مبارک سے قرآن حکیم کی مختلف سورتوں یا حکموں کی تفسیر سُن کر عامی کے دل میں بھی کلام الٰہی کی عظمت کا خاص احساس پیدا ہو جاتا تھا۔

ان کے دادا ہندو تھے۔ والد نے سکھ دھرم اختیار کر لیا تھا، گویا مولانا سکھ پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے والدہ نے بڑی محبت سے پالا، مولوی عبیداللہ کی تحفۃ الہند اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان پڑھ کر اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی اسی شوق میں گھر سے نکل پڑے۔

اصل وطن سیالکوٹ تھا لیکن گھر سے نکل کر سندھ میں مولانا تاج محمود مرحوم (امروٹی) کے پاس پہنچے تو وہیں کے ہو گئے[1] اور پنجابی ہونے کے باوجود سندھی کہلاتے تھے۔ انھی کے ظلِ عاطفت میں تعلیم حاصل کی۔ پھر دیوبند میں حضرت شیخ الہند سے تکمیل علوم کی۔ پھر دیوبند ہی میں ایک جماعت کی تنظیم شروع کی۔ پھر دہلی میں مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ جاری کیا۔ ۱۹۱۵ء میں اپنے استاد و مرشد حضرت شیخ الہند کے حکم کے مطابق ہندوستان سے افغانستان پہنچے۔ سات برس وہاں رہے پھر روس چلے گئے۔ جہاں لینن، اسٹالن اور بالشویزم کے دوسرے اکابر سے گفتگوئیں ہوتی رہیں[2]۔ اس کے بعد مختلف یورپی ممالک سے ہوتے ہوئے ترکی گئے، پھر اٹلی پہنچے، وہاں سے حجاز تشریف لے گئے اور وطن واپس آنے کی اجازت ملنے تک مکہ معظمہ ہی میں رہے۔

ترکِ وطن سے پیشتر شادی کی تھی۔ دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں پھر اہلیہ محترمہ اور ایک صاحبزادی کا انتقال ہو گیا۔ دوسری صاحبزادی بفضل خدا حیات ہیں۔

۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء مولانا کی تاریخ پیدائش تھی۔ بہتر برس اور چند ماہ کی عمر پائی۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد اگرچہ کمزور ہو گئے تھے، لیکن حرارت و جوشِ عمل کا یہ عالم تھا کہ کوئی نوجوان بھی بہ مشکل ان کی سرگرمیوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

چند ماہ پیشتر لاہور تشریف لائے تو وعدہ فرمایا تھا کہ دو تین ہفتے یہاں مقیم رہ کر اپنے پروگرام کی ضروری چیزیں سمجھا دیں گے پندرہ بیس روز کے بعد ایک عزیز دوست سے ملنے کے لیے انجمن خدام الدین

---

[1] مولانا سندھی مرحوم پہلے بھرچونڈی شریف میں مولانا محمد صدیق کے پاس گئے تھے، پھر ان کے خلیفہ مولانا تاج محمود کے پاس امروٹ تشریف لے گئے، کچھ عرصہ وہاں پڑھا بعدہٗ پنجاب کے کئی مقامات پر عربی کی ابتدائی کتابوں کی تکمیل کے بعد دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الہند کے تلامذہ کے سلسلۃ الذہب میں شامل ہوئے تھے (ا۔ س۔ ش)۔

[2] جہاں تک میری معلومات ہیں مولانا سندھی مرحوم کی ملاقات لینن اور اسٹالن سے نہیں ہوئی تھی اگرچہ بعض حضرات نے ایسا ہی لکھا ہے، البتہ وزیر خارجہ چچرن اور پارٹی کے دوسرے اکابر سے مولانا مرحوم کی ملاقاتیں ہوئیں تھیں (ا۔ س۔ ش)۔

کے دفتر میں گیا تو معلوم ہوا کہ مولانا تشریف لائے ہوئے ہیں، لیکن بیمار ہیں۔ دو گھنٹے تک پاس بیٹھا رہا۔
ایک تحریر سنائی جس کے فقروں پر بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔ اس وقت بھی فرمایا کہ دہلی اور سندھ
ہوتے ہوئے لاہور آؤں گا۔

اس دنیا میں یہ آخری ملاقات تھی۔ پندرہ بیس روز ہوئے ان کی ایک مطبوعہ تقریر موصول ہوئی جس
کے لفافے پر پتا انھوں نے خود لکھا تھا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ کمزور ہاتھ اب قلم گیری میں بھی تکلیف
محسوس کر رہا ہے پھر دفعتہً اطلاع ملی کہ مولانا سخت بیمار ہو گئے ہیں اور حالت نازک ہے آخر وہ مقدر
سانحہ بھی پیش آ گیا جو ہم سب کو پیش آتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبید اللہ سندھی دور حاضر کے بہت بڑے عالم، بہت بڑے سیاستدان اور بہت بڑے قائد
تھے۔ عام لوگوں کے شیوؤں سے کام لے کر ہر دل عزیزی پیدا کرنے پر کبھی راضی نہ ہوئے۔ اس لیے عام
نقطۂ نگاہ کے مطابق قدر و منزلت عامہ کا وہ مقام حاصل نہ کر سکے جس کے وہ ہر اعتبار سے اہل تھے۔
لیکن واقف کار اصحاب کی نظروں میں وہ دور حاضر کے مخصوص علماء میں سے تھے۔ زندگی کے ایسے بیش بہا
جواہر اس دنیا میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ ان کی فطری سعادت کا اس سے بڑا اور روشن تر ثبوت
اور کیا ہو گا کہ ایک سکھ گھرانے میں جنم لیا، لیکن اسلام کے ایک بلند منزلت عالم، قائد، مفکر، مدبر اور مجاہد
کی حیثیت میں واصل بہ حق ہوئے اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے مرقد مبارک
کو انوار رحمت کی بارش سے منور رکھے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

۱۰۔ ۳۱ اگست کے انقلاب میں مفتی ضیاء الحسن صاحب کا مندرجہ ذیل بیان شائع ہوا:

مولانا عبید اللہ سندھی کا انتقال

"مفتی ضیاء الحسن صاحب ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم مجلس کا بیان درج ذیل ہے:

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے انتقال کی افسوس ناک خبر سے دل و دماغ پر بجلی سی
گر گئی۔ مولانائے محترم اسلامیان ہند میں علم و عمل کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور تمام
عالم اسلام آپ کے علمی کمالات اور بلند پایہ نادر تحقیقات کا معترف تھا۔ ہندوستان میں قرآنی علوم

کی نشر و اشاعت اور قرآن فہمی کا جو مخلصانہ جذبہ پیدا ہو رہا ہے وہ تمام تر آپ کی مبارک سعی کا ثمر ہے عملی اعتبار سے بھی آپ اسلامی دنیا کے مجاہد تھے ۔ ہندوستانی علماء میں آزادی کی روح پھونکنا آپ ہی کا کام تھا۔ ہندوستان کی سب سے بڑی انقلابی تحریک کی آپ نے رہنمائی کی اور اس سلسلے میں آپ کی زندگی بہترین نمونہ ہے اور ملک و ملت کے لیے آپ نے جو بے پناہ مصائب و مشکلات برداشت کیں ہیں۔ ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ کے انتقال سے صرف اسلامیانِ ہند ہی نہیں بلکہ تمام عالم کے مسلمانوں کو جو شدید نقصان پہنچا اس کی تلافی صدیوں میں نہیں ہو سکتی اب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی زندہ جاوید تعلیم قبول کریں اور مرحوم کے لیے بصمیم قلب خداوند کریم سے دعا کریں کہ آپ کو اعلیٰ علیین میں بلند درجات عطا فرمائے؟

بقیہ : امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی اور محمد امین خان عبیداللّٰہی

ایسا نہیں تھا کہ میں اُن سے متاثر نہ ہوتا۔ ان کی جگہ میرے دل میں بن گئی ۔ یہ الفاظ میرے قلم کی رواداری کا تقاضا نہیں میرے دل کی آواز ہیں ۔

ان کی زندگی اور افکار کے بارے میں یہ چند اشارات ہیں اور اُن معلومات پر مبنی ہیں جو چند ملاقاتوں میں خود مرحوم سے حاصل کی تھی ۔ ان میں بیان کی تاریخی اہمیت اور صحت کا کریڈٹ خان مرحوم کو ملنا چاہیے ۔ البتہ ترتیب و تہذیب مضمون اور اسلوبِ تحریر میں جو خامیاں رہ گئی ہیں، اُن کے لئے اس ناچیز کا قلم ذمے دار ہے ۔

مولانا سندھی مرحوم کی ایک تاریخی تقریر

مولانا عبیداللہ سندھی ۲۴ سال کی جلاوطنی کے بعد ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو کراچی پہنچے اور اسی دن لوگوں سے خطاب کیا۔ اُن کی تقریر ہم سیّد اصغر علی شاہ ناظم نشر و اشاعت جمعیت طلباء اسلام صوبہ سندھ کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مولانا سندھی نے اس تقریر میں کہا تھا کہ اگر میری موت کے تین سال کے بعد بھی انگریز برصغیر سے نہیں گیا تو میری قبر پہ گلہ کرنا۔ مولانا ۱۹۴۴ء میں فوت ہوئے اور تین سال کے بعد یعنی ۱۹۴۷ء میں برصغیر آزاد ہو گیا اور بھی کئی پیشین گوئیاں ہیں سب درست ثابت ہوئیں اور ثابت ہو گیا کہ

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

—ادارہ—

عزیزان گرامی!

۱۹۱۵ء میں مجھے حضرت شیخ الہند نے افغانستان بھیجا تھا۔ آپ کے بزرگوں نے مجھے باہر بھیجا تھا۔ باہر رہ کر جو کچھ اسلام کی خدمت کر سکتا تھا میں نے کی۔ میرے سامنے پہاڑ آئے شکست کھا گئے، موت آئی شکست کھا گئی، میں ان سپہ سالاروں کا رفیق رہا جنھوں نے دنیا کے بڑے بڑے معرکے سر کیے، آپ میری باتوں کو تاثرات اور عارضی ہیجانات کا نتیجہ نہ سمجھیے گا میرے پیچھے تجربات کی ایک وسیع دنیا ہے۔ میں آپ سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا۔ میرے افکار وقف عام ہیں۔ اب میں چراغ سحری ہوں، چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے اس پیغام کو ہندوستان کے نوجوانوں تک پہنچا دوں۔ اگر یہی حالات رہے تو مجھے خطرہ ہے کہ بنگال کی تقسیم نہ ہو جائے۔ پہلے پہل اس انقلاب کی لپیٹ میں افغانستان آئے گا۔

میں انقلاب کا پیامبر بن کر ہندوستان لوٹا ہوں۔ وہ دن دور نہیں کہ برطانیہ اور امریکہ والوں کو

اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ اس انقلاب کو قیامت سے کم نہ سمجھیے گا۔ میں نے بڑے بڑے علما کو بڑے بڑے افراد کو در بدر بھیک مانگتے دیکھا ہے، عزتوں کو لٹتے دیکھا ہے۔ یہ عالمگیر انقلاب ہے ایک نہ ایک دن ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر رہے گا۔ دیوارِ چین ہو یا سدِ سکندری یہ سب کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔ دنیا ایک طوفان نوح سے دوچار ہوا جاتی ہے۔ بادل گھر چکے ہیں گھٹائیں برسنے کو ہیں۔ لیکن ہمارے علماء ہیں کہ ان کی نظریں کتابوں تک محدود ہیں وہ باہر کی دنیا کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ ہمارے سیاستدان بڑی بڑی اسکیمیں بناتے ہیں جو ان کے اپنے اغراض و مصالح پر مبنی ہوتی ہے عوام کو انتہائی نچلے درجے میں رکھ چھوڑا ہے۔ قرآن حق ہے، انجیل حق ہے، توراۃ حق ہے۔ انجیل کو غلط رنگ میں پیش کرنے سے یہودی کافر ہو سکتا ہے اس ملک کے مسلمان قرآن کو غلط رنگ میں پیش کرنے سے کیسے مسلمان رہ سکتے ہیں۔ اب انقلاب کی گھڑی قریب سر پر آپہنچی ہے۔ سن لو ورنہ مٹا دیے جاؤ گے!

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کل ایک طبقہ قوت و خیال کا مالک تھا کسان اور مزدور جو کماتے تھے ان کو کھانے کو نہ ملتا تھا۔ جو ان کی کمائی پر رہتا وہ کمانا ذلت کا نشان سمجھتا۔ کماؤ طبقے پسماندہ اور کھاؤ طبقے اخلاق سے گر گئے۔ اگر رکتیں پھیلتیں تو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے محلوں میں ذہن کو جلا ہوتی تو ان کو ہوتی۔ زمانہ مدتوں ملتا رہا سرمایہ دار مزدوروں اور کسانوں پر ظلم ڈھاتے رہے اس دور میں مشینی دور آتا ہے آگے چل کر مزدوروں نے مشینوں پر قبضہ کر لیا۔ جاگیردارانہ نظام ختم ہو گیا۔

آج اس کا نعرہ ہے۔ "مزدورو! اور کسانو! اٹھو بڑی بڑی بلڈنگیں، بڑے بڑے محلات تمہاری کمائی سے وجود میں آئے ہیں۔ ان پر قبضہ کر لو۔ جو ان کے آڑے آئے مٹا دو"۔

اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو ایسے فلسفے کو قبول کر لو جس کی ترجمانی امام ولی اللہ دہلوی نے کی ہے "اگر تمہارے امراء نے غرباء کی خیر خواہی نہ کی تو تمہارا وہ حشر ہوگا جو بخارا کے مسلمانوں کا ہو چکا ہے۔ بخارا کے اندر ایک ایک مدرسہ عربی کی یونیورسٹی تھی۔ ترکی کی جو سیاسی طاقت ہے آپ کے ملک کی وہ سیاسی طاقت نہیں۔ جس انقلاب کے سامنے بخارا کی مذہبیت نہ ٹھہری، ترکی کی سیاست نہ ٹھہری اس کے سامنے تم کیسے ٹھہر سکتے ہو؟ جب غریب کی جھونپڑی سے انقلاب اٹھتا ہے تو وہ امیر کے محل کو بھی پیوست زمین کر کے جاتا ہے"۔

اگر میں مر گیا اور میرے مرنے کے تین سال کے بعد انگریز ہندوستان سے نہ گیا تو میری قبر پر آکر کہنا کہ انگریز یہاں آکر بیٹھا ہوا ہے۔ میں قبر سے جواب دوں گا۔ میں نے انگریز کی بیخ و بنیاد کو اکھیڑ دیا ہے۔ اب وہ ہندوستان میں نہیں رہ سکتا۔ عنقریب تم مجھے یاد کرو گے۔ میں اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

چند مزید خطوط

مولانا سندھی مرحوم کے خطوط مرتب کیے جاچکے تھے کہ چند خطوط اور دستیاب ہوگئے یہ خطوط مولانا مسعود عالم ندوی اور مرور شاہ گیلانی کے نام ہیں۔ مولانا مسعود اور گیلانی کے نام میرے پاس نکل آئے۔ یہ تعداد میں کل سات خط ہیں۔ ان میں اول الذکر کے نام ایک خط مولانا سندھی کی جانب سے ان کے سیکرٹری بشیر احمد (لودھیانوی) کے قلم سے ہے۔

مولانا سندھی مرحوم کے یہ خطوط نہایت اہم علمی مطالب سے پُر اور فکر انگیز ہیں اور اس امر کے متقاضی کہ ان کے پس منظر پر مفصل روشنی ڈالی جائے اور ان کی علمی و فکری اہمیت کو اُجاگر کیا جائے، لیکن قلّتِ صفحات کی مجبوری سے اس ذکر کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں ضرور رکھنی چاہیے کہ مولانا سندھی مرحوم کی تصنیف "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" شایع ہوئی تو مسعود عالم ندوی نے اُس پر سخت تنقید لکھی جو معارف اعظم گڑھ میں شایع ہوئی تھی۔ اس زمانے میں اِن خطوط کے ذریعے مولانا مرحوم نے فاضل نقاد کی بعض غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ فاضل نقاد نے اِن کے مطالب پر توجہ نہیں فرمائی اور وہ برابر اس موقف پر قائم رہے کہ اگر مولانا سندھی مرحوم سکھ ہوتے تو اتنے بُرے نہ ہوتے اور سکھ ہوتے ہوئے وہ اسلام کو اتنا نقصان نہ پہنچا سکتے۔

ایم۔ اے۔ شاہد

(۱) مولانا مسعود عالم ندوی

محترم المقام مولانا مسعود عالم صاحب! زید مجدہٗ

سلام مسنون! "معارف" کے دونوں نمبر آج ملے۔ ہماری سیاست میں ایسے حالات پیش آتے رہے کہ ہمارا سیاسی فکر بدل گیا، اسے ہم نہیں چھپاتے، کاش ہمارے دوست ہم سے اسباب انقلاب بھی سن سکتے۔ افسوس ہے کہ وہ معاملات ہم لکھوا نہیں سکتے۔ اس کے بعد ان کی رائے سے ہمیں شکایت نہ ہوتی۔ آپ براہ مہربانی شیخ عبدالحق بنارسی کا ترجمہ "سلسلۃ العسجد" میں دیکھ لیں جو نواب صاحب نے سلسلہ اسانید سے آخر میں ذکر کیا ہے۔

ان کے اخراج کا واقعہ ایک رسالہ میں چھپا ہوا ہم نے مکہ معظمہ میں پڑھا تھا، وہ رسالہ مولانا احمد سعید کے خاندانی کتب خانے میں موجود ہے ۱۸۵۷ء سے پہلے کا مطبوع ہے۔ شاہ عبدالغنی کی اس پر مہر ہے۔ شاہ اسحاق قدس سرہ کے فتاوے بھی اس میں درج ہیں اور سید محمد علی رامپوری کا مختصر بیان بھی مذکور ہے، اگر کہیں سے مل سکے تو اسے ضرور دیکھیے، ہمارا یہ فقرہ "کمپنی بہادر کی ڈپلومیٹک سازش" آپ غلط طل پڑے گئے، اس قدر بدگمانی نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔ اس میں اس واقعے کی طرف اشارہ مقصود تھا جو مولانا حمیدالدین مرحوم سے ہم نے سُنا تھا کہ ان کے اطراف کے کوئی مُلازم کمپنی سرحد میں گئے اور مجاہدین اور

افغانوں میں نفاق کا بیج بو آئے، مگر جب انھیں معلوم ہوا کہ مجاہدین مع اپنے سرداروں کے شہید ہو گئے۔ تو وہ اپنے آپ کو الٹا باندھواتے اور کوڑوں سے پٹواتے۔ یہ عمل وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مسلسل جاری رکھتے رہے۔

زیدیہ اثنا عشری کی طرح نہیں۔ مگر وہ شورائی حکومت نہیں برداشت کرتے۔ امام خصوصی خاندان سے ہونا چاہیے۔ ہمارا زمانہ اس سیاست کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ان مسائل میں اختلاف رائے معیوب نہیں، مگر ایسی غلط فہمی نہ ہو جس کا اثر یہاں تک پہنچ جائے کہ مجاہدین کمپنی سے سازش رکھتے تھے۔ یہ ہمارا خیال ہے۔ یہ فقرہ ہم عرب انقلابیوں کے لیے تو استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کا وہ لوگ اعتراف کرتے ہیں۔ ہم تو ہندی اور عربی انقلابیوں میں یہی فرق قرار دیتے ہیں کہ کمپنی عربوں کی امداد کرتی رہی۔ اور ہندیوں سے اس کا مقابلہ تھا۔ واللہ المستعان

۲۶، مارچ ۱۹۴۳ء ہندی

عبید اللہ سندھی

(۲)

محترم المقام! زیدمجدہ

سلام مسنون! آپ تنقید لکھ رہے ہیں۔ مبارک ہو۔ افکار اسی طرح صاف ہوتے ہیں۔ آپ کو مطالعہ میں مدد دینے کے لیے رات ایک خط لکھ چکا ہوں، وہ حضرت مولانا سید صاحب[1] کے توسط سے آپ کو ملے گا۔ یہ دوسرا عریضہ براہ راست لکھ رہا ہوں۔

(۱) آپ نے مولانا ولایت علی کا مجموعہ دیکھ لیا ہے۔ غور سے مطالعہ کیجیے۔ مولانا[2]، سید صاحب (امیر الشہید) قدس اللہ سرہٗ العزیز کو "مہدی متوسط" نہیں بنا رہے ہے۔

(۲) اسمٰش[3] میں ایک مجموعہ اربعین احادیث ہے جو سرتاپا موضوع ہے۔ وہ عام لوگوں کو نہیں دکھلایا جاتا۔ پنجاب کے کسی مطبع میں چھپوایا ہے۔ اس میں ایسی حدیثیں بھی درج ہیں کہ مہدی پشاور کے شمالی کوہستان میں ملے گا۔ نواب صاحب[4] نے اسی مجموعہ کا ذکر کیا ہے۔

(۳) کیا سوانح[5] احمدیہ کا مصنف امیر الشہید کو انگریزی رعایا بنا کر پیش کرتا ہے، اس سے یہ اچھا نہیں ہو گا کہ

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی کی طرف اشارہ ہے۔ [2] مولانا سے مراد مولانا ولایت علی ہیں۔

[3] آزاد قبائل کے علاقے میں مجاہدین کا مرکز۔ [4] یعنی نواب صدیق حسن خان مرحوم [5] تواریخ عجیبہ یا سوانح احمدی مولانا محمد جعفر تھانیسری کی مشہور تصنیف ہے۔ اس کتاب کی سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وہ اپنی تحریک کے ڈکٹیٹر تھے، غلطیاں ہوئیں، مگر اماموں اور ڈکٹیٹروں کی سی غلطیاں ہیں - گرتے ہیں شاہ سوار ہی میدانِ جنگ میں - آپ مجھے ایسا خیال کریں کہ دنیا کے لادینی ڈکٹیٹروں کے مقابلہ میں آنا چاہتا ہوں یا متدیّن نوجوانوں کو ان کے مقابلہ کی ہمت افزائی کرتا ہوں - ہمارے متدین نوجوان کس راستہ سے آگے بڑھیں - وہ راستہ بناتا ہوں - عزیزوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے - غلطیوں پر متنبہ کریں ذرا اصلاح کر لوں گا - مگر خدا کے لئے جمود چھوڑیں - آگے بڑھیں -

مرا تجربہ ہے ہم اگر دلی کے بادشاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں تو کابل، قسطنطنیہ وغیرہ ممالک میں کہیں بار نہیں پاتے - یہ بادشاہ ہمارے ہیں، ان کے غلط کاروں کی غلطیاں پکڑنا ہمارا فرض ہے - اپنے گھر میں پاؤں ٹکانے کے لیے جگہ نکالیے، پھر مسلمانوں سے ملیے ان سے سیکھیے، اگر کوئی مفید بات آپ نے بزرگوں سے محفوظ کر لی ہے تو دنیا کو تعارف کرائیے -

کیا آج یورپین مفکّرین کے مقابلے میں آپ اپنا مفکّر پیش کر سکتے ہیں، کیا ان ڈکٹیٹروں کی دنیا میں آپ اپنا ڈکٹیٹر اپنے لیے امام بنا کر آگے بڑھ سکتے ہیں - خدا کرے کہ آپ کی تنقید مجھے ہمت دلائے کہ صحیح بات زیادہ صاف لفظوں میں لکھ سکوں - اللہ رب العزۃ ہم پر رحم کرے - کاش ہم کبھی مل بیٹھتے اور تدریجی انقلاب کی سیڑھیاں جس طرح ہم نے طے کی ہیں، آپ کو ان کا پتہ نشان بتلاتے - فیصلہ آپ کا وہی زیادہ صحیح ہوگا جس میں ہر قسم کے معلومات سامنے آجائیں -

عربک کالج کی اسکیم ذاتی مطالعہ کے لئے بھیجتا ہوں - والسلام

٢٦، مارچ سنہ ٩٤٣ ہندی دارالرشاد عبیداللہ سندھی

(٣)

مکرمی المحترم ! سلام مسنون -

کل اپریل کا معارف ملا - اس سے پہلے ایک پمفلٹ "البرہان" کو بھیج چکا ہوں جس میں

رسول کا (۱) مصنف نے نہ صرف بعض غلط نتائج نکالے بلکہ مزعومہ اور نہایت غلط نتائج نکالنے کے لیے حضرت سید احمد شہید کے خطوط میں تحریف کر ڈالی - ناقد مولانا مسعود عالم ندوی کی اس پہلو پر نظر نہ تھی - مولانا سندھی مرحوم کا اشارہ اسی طرف ہے - مولانا نے اس مقام پر مندرجہ ذیل حاشیہ بھی لکھا ہے - " سوانح احمدی کا مصنف امیر شہید کا تعلق امام عبدالعزیز سے کاٹنا چاہتا ہے غور سے مطالعہ کیجیے - چالاک مصنف غیر مسلم ہیں ان کی کتابیں یا ان کے اقتباس عربی رسالوں میں پڑھ چکا ہوں، مکہ معظمہ کے دورانِ قیام میں - فقط "
مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے اپنی محققانہ تصنیف "سید احمد شہید" میں تھانیسری مرحوم کی اس افسوس ناک عبارت پر متعدد مقامات پر بہ تفصیل لکھا ہے - (ا - س - ش)

بعض مجملات کی قدرے تفصیل ہے۔ اس میں حضرت سید صاحب کے مشورے کا خیال رہا ہے مگر بیمار ہوں اور کوئی کتاب بھی پاس نہیں اس لیے مختصر اً یاد داشت کے طور پر لکھنا پڑا۔ اجماع کی تفسیر میں آپ ازالۃ الخفاء میں مذہب عمر کا رسالہ بلکہ اس رسالہ کا مقدمہ دو صفحے ضرور دیکھ لیں۔

امام شوکانی زیدی امیر یا امام کے قاضی رہے ہیں۔ ایک امیر کے وفات پر اس کے جانشین امام سے پہلے خود بیعت کی اور پھر عوام سے امام کے نام پر بیعت لینے کا واسطہ بنے۔ کیا کوئی غیر زیدی یہ وظیفہ ادا کر سکتا ہے، ہمارا مطلب اس بحث سے امام شوکانی کی توہین نہیں، جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے۔ بلکہ ہم نے ایک ایسا طائفہ دیکھا۔ جو حنفیہ کو مشرکین کے درجہ پر مانتا ہے اور ہم ان کے ساتھ مدارات پر مجبور ہیں۔ انھیں لوگوں کو اپنی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے ہم نے زیدیت کی بحث چھیڑی تھی۔ کیا حنفیت زیدیت سے بھی زیادہ قابل انکار ہے؟ زیدیہ میں سے ایک محقق اہل السنتہ کے لیے قابل تقلید مل سکتا ہے۔ تو دیوبندی حنفیہ میں کیوں اس قسم کے عالم مستثنے نہیں کیے جاتے۔ یہ واقعات مکہ معظمہ میں پیش آئے۔ اور ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس مخمصے سے ہمیں نجات ملی۔ ورنہ وہ لوگ ہمارے اخراج کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ ہمارا یہ زمانہ ایسا تھا کہ ہم اپنے سیاسی انہماک کے غلبہ میں اسلامی فرقوں کی امتیازی چیزوں پر غور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن واقعات کی مجبوری سے بقدر ضرورت حصہ لینا پڑا۔ اب ہند میں معاملہ بالکل نئی صورت میں پیش ہو رہا ہے۔ "گاندھی ازم" کے مقابلے میں ہمیں ایک فلاسفر پیش کرنا ضروری ہے۔ کیا ڈاکٹر اقبال کافی ہے۔ ڈاکٹر نٹشے کو مانتا ہے تو علامہ مشرقی ڈارون کو، میں گاندھی کے متبعین کے ڈر سے ان حضرات پر جرح بھی نہیں کرنا چاہتا۔ مگر ان کی تقلید بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں نے اپنے لیے مخلص "امام ولی اللہ کی فلاسفی کے سوا" کچھ نہیں دیکھا۔ اسے آہستہ آہستہ پیش کر رہا ہوں۔

کیا امام ولی اللہ سیاسی متبوع بھی ہیں یا ان کی محض فکری بلند پروازی تھی۔ میں اپنے دیوبندی اسانید کی بنیاد پر ان کے سیاسی متبعین کا تسلسل قائم کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ بیماری اور پریشان حالی سے غلطیاں بھی صادر ہوتی رہیں گی۔ حسب الامکان اصلاح کرتا رہوں گا۔ ورنہ امید رکھتا ہوں کہ معاف کر دیا جاؤں گا۔ آپ فراخ دلی سے تنقید کریں۔ ہم آپ کی جماعت سے علیحدگی اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ ہمارے اغلاط کی ذمہ داری آپ لوگوں پر عائد نہ ہو، میں تو اس قدر کمزور ہو چکا ہوں کہ جنھیں میں اپنا سمجھتا ہوں وہ بھی منہ نہیں لگاتے۔ اس لیے ؏

اور دل پہ کیوں نزول بلا اپنے ساتھ ہو   اب ہم مکان شہر سے باہر بنائیں گے

کا معاملہ ہے۔ والسلام

۲۲، اپریل سنہ ۹۴۳ ہندی

بیت الحکمۃ۔ دارالرشاد

عبیداللہ سندھی

(۴)

مکرمی! سلام مسنون

آپ کا کارڈ ملا۔ میرے خطوط پرائیویٹ ہیں۔ محض آپ کو مطالعہ کے لیے متوجہ کرنا منظور ہے۔ رائے بدلنے کی کوشش یا پبلک میں مرافعہ منظور نہیں۔ اگر خدا کو منظور ہے اور ہم کبھی مل بیٹھے تو بہت سے معاملات پر مذاکرات کر سکتے ہیں۔ اس وقت میں بیمار ہوں، زیادہ عرض نہیں کر سکتا۔

تمام رفقاء محترم سلام مسنون قبول فرمائیں۔ والسلام

۲۳، مئی سنہ ۹۴۳ ہندی

دارالرشاد۔ گوٹھ پیر جھنڈا

عبیداللہ سندھی

(۵)

مکرمی المحترم زید مجدہ!

سلام مسنون۔ آج معارف دیکھا کل "برہان" دیکھ چکا تھا آپ کو وحدۃ الوجود کا فلسفہ سمجھنے میں لمبے مطالعہ کی ضرورت ہے اگر کبھی ملاقات ہوئی تو کتابوں سے نشان دہی کر کے توسیع مطالعہ کے لیے راستہ بنانے میں مدد دوں گا۔ ہم نے امام ولی اللہ کی حکمت کے تعارف میں کچھ اشارات لکھے ہیں، بالفعل ان پر توجہ فرمائیے۔ آپ کو شبہ ہے کہ میں نجد و یمن اور زیدیت اور تشیع میں شاید اچھی طرح فرق نہیں کر سکتا ہیں بارہ سال عرب میں رہا ہوں۔ یمن اور نجد کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہمارے ملک میں نواب صاحب کے اعوان یمن سے تعلق رکھتے ہیں اور میاں صاحبؒ کے شاگردوں میں غزنوی (امرتسری) خاندان نجد سے وابستہ ہے۔ یہ دونوں مرکز امام ولی اللہ کو مانتے ہوئے ائمہ یمن اور نجد کو ان پر ترجیح دیتے ہیں۔ کمپنی بہادر کے زمانے میں یمن کے شیعہ علماء آتے رہے۔ وہ اپنے ادبی کمالات سے ہند کو متاثر کرتے رہے اور امام ولی اللہ کے فکر کے سخت مخالف تھے۔ اس کے بعد نواب صدیق حسن سے قدرے پہلے مولوی عبدالحق ہند میں ایک مرکزیت کے مالک بن جاتے ہیں اور وہ زیدی ہیں، امام ولی اللہ کے فکر سے ہٹاتے ہیں۔ پھر نواب صاحب نے قاضی شوکانی سے اتصال پیدا کیا، امام ولی اللہ کے مسلک سے مخالف دعوت شروع کر دی۔ براہ مہربانی ان معمولی معاملات کو اہمیت نہ دیا کریں۔

مولانا شہید کو امام ولی اللہ سے علیحدہ فرض کرنے کی غلطی سے پرہیز کریں، مولانا شہید کی کتابوں کا گہرا مطالعہ

ضروری ہے۔

آپ کا کارڈ مورخہ ۶ مئی ملا۔ شکریہ! یہ خط و کتابت محض دوستانہ ہے اور پرائیویٹ۔ والسلام

۱۴ اگست ۱۹۴۳ء سنہ ہندی گوٹھ پیر جھنڈا۔ ضلع حیدر آباد سندھ عبیداللہ سندھی

(۶)

بجناب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی دام عنایتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی اس وقت بستر علالت پر ہیں، چند دن تک ان کی حالت نہایت تشویشناک رہنے کے بعد اب بفضل اللہ کے فضل سے رُو بہ صحت ہے۔ کل آں ممدوح نے آپ کا "استدراک" جو آپ نے ان کی تاریخ تحریک ولی اللہ محدث دہلوی پر ماہ فروری تا مئی ۱۹۴۳ء سنہ ہندی میں "معارف" میں شایع کرایا تھا، پڑھوا کر سنا، اور آج مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حضرت مولانا کی طرف سے تحریر کروں کہ

"ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی دعوت کو اسلام میں اول درجے کی چیز مانتے ہیں، ان کے بعد امام ولی اللہ کی تحریک کو دوسرے درجے کی دعوت کا مقام دیتے ہیں"۔ آج کل ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس کے متعلق ہم نے اطمینان کے ساتھ امام ولی اللہ کی تابعداری میں اپنا پروگرام (PROGRAMME) بنالیا ہے، اب ہم اس میں کسی دوسرے پروگرام (PROGRAMME) کو تداخل کا موقع دینا نہیں چاہتے۔ براہ مہربانی ہمیں معاف فرمائیں"۔ فقط والسلام

المخلص بشیر احمد بی، اے

معتمد خصوصی حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی

(۷) سرور شاہ گیلانی

بخدمت شریف سرور شاہ گیلانی، مکرمی المحترم! زید مجدہٗ

سلام مسنون! آپ کا عنایت نامہ ملا۔ دو تین بار پڑھا۔ نہایت مسرت ہوئی۔

میں جس وقت کراچی آیا، ضرور ملوں گا اور مفصل باتیں کرنے اور تبادلہ خیالات سے قابلِ عمل راہ ضرور نکل آئیگی۔

تنظیمِ مساجد ہمارا بھولا ہوا خواب ہے۔ محترم جی ایم سید نے ہمیں بھی وہ سرکلر بھیجا تھا۔

میں آپ سے ملنے کا متمنی ہوں۔ انشاءاللہ جس کے لیے عنقریب موقع ملے گا۔ والسلام

۸ ستمبر ۱۹۴۳ء سنہ ہندی دارالرشاد

عبیداللہ سندھی

Phone: 24154 "AL-WALI" Hyderabad.
Monthly

شاہ ولی اللہ اکیڈمی

اغراض و مقاصد

۱- شاہ ولی اللہ کی تصنیفات اُن کی اصلی زبانوں میں اور اُن کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کرنا۔

۲- شاہ ولی اللہ کی تعلیمات اور ان کے فلسفہ و حکمت کے مختلف پہلوؤں پر عام فہم کتابیں لکھوانا اور اُن کی طباعت و اشاعت کا انتظام کرنا۔

۳- اسلامی علوم اور بالخصوص وہ اسلامی علوم جن کا شاہ ولی اللہ اور اُن کے مکتبِ فکر سے تعلق ہے، اُن پر جو کتابیں دستیاب ہو سکتی ہیں اُنہیں جمع کرنا، تاکہ شاہ صاحب اور اُن کی فکری و اجتماعی تحریک پر کام کرنے کے لئے اکیڈمی ایک علمی مرکز بن سکے۔

۴- تحریک ولی اللّٰہی سے منسلک مشہور اصحاب علم کی تصنیفات شائع کرنا، اور اُن پر دوسرے اہل قلم سے کتابیں لکھوانا اور اُن کی اشاعت کا انتظام کرنا۔

۵- شاہ ولی اللہ اور اُن کے مکتبِ فکر کی تصنیفات پر تحقیقی کام کرنے کے لئے علمی مرکز قائم کرنا۔

۶- حکمت ولی اللّٰہی اور اُس کے اصول و مقاصد کی نشر و اشاعت کے لئے مختلف زبانوں میں رسائل کا اجرا۔

۷- شاہ ولی اللہ کے فلسفہ و حکمت کی نشر و اشاعت اور اُن کے سامنے جو مقاصد تھے۔ اُنہیں فروغ دینے کی غرض سے ایسے موضوعات پر جن سے شاہ ولی اللہ کا خصوصی تعلق ہے، دوسرے مُصنفوں کی کتابیں شائع کرنا۔

Title Printed at Mansoor Printing Press, Risala Road, Hyderabad Ph. 20883